سلسلۂ انجمن ترقّیِ اُردو نمبر ۱۱۱

شکُنتلا

از

کالی داس



مترجمۂ

سید اختر حسین رائے پوری

بی اے (علیگ) ساہتیہ النکار

شائع کردۂ

انجمن ترقّیِ اُردو (ہند) نئی دہلی

دی اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری

جس قدر انگلش اُردو ڈکشنریاں اب تک شائع ہوئی ہیں ان میں سب سے زیادہ جامع اور مکمل یہ ڈکشنری ہے۔ اس میں تخمیناً دو لاکھ انگریزی الفاظ اور محاورات کی تشریح کی گئی ہے۔ چند خصوصیات ملاحظہ ہوں۔ (۱) یہ بالکل جدید ترین لغت ہے۔ انگریزی زبان میں اب تک جو تازہ ترین اضافے ہوئے ہیں وہ تقریباً تمام کے تمام اس میں آگئے ہیں۔ (۲) اس کی سب سے بڑی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ادبی، مقامی، اور بول چال کے الفاظ کے علاوہ ان الفاظ کے معنی بھی شامل ہیں جن کا تعلق علوم و فنون کی اصطلاحات سے ہے۔ اسی طرح ان قدیم اور متروک الفاظ کے معنی بھی درج کیے گئے ہیں جو ادبی تصانیف میں استعمال ہوئے ہیں۔ (۳) ہر ایک لفظ کے مختلف معانی اور فروق الگ الگ لکھے گئے ہیں اور امتیاز کے لیے ہر ایک کے ساتھ نمبر شمار دے دیا گیا ہے۔ (۴) ایسے الفاظ جن کے مختلف معنی ہیں اور ان کے نازک فروق کا مفہوم آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا، ان کی وضاحت مثالیں دے دے کر کی گئی ہے۔ (۵) اس امر کی بہت احتیاط کی گئی ہے کہ ہر انگریزی لفظ اور محاورے کے لیے ایسا اردو مترادف لفظ اور محاورہ لکھا جائے جو انگریزی کا مفہوم صحیح طور سے ادا کر سکے اور اس غرض کے لیے تمام اردو ادب، بول چال کی زبان اور پیشہ وروں کی اصطلاحات وغیرہ کی پوری چھان بین کی گئی ہے۔ یہ بات کسی دوسری ڈکشنری میں نہیں ملے گی۔ (۶) ان صورتوں میں جہاں موجودہ اُردو الفاظ کا ذخیرہ انگریزی کا مفہوم ادا کرنے سے قاصر ہے، ایسے نئے مفرد یا مرکب الفاظ وضع کیے گئے ہیں جو اُردو زبان کی فطری ساخت کے بالکل مطابق ہیں۔ (۷) اس لغت کے لیے کاغذ خاص طور پر باریک اور مضبوط تیار کرایا گیا تھا جو بائبل پیپر کے نام سے موسوم ہے۔ طباعت کے لیے اردو اور انگریزی ہر دو خوبصورت ٹائپ استعمال کیے گئے ہیں۔ جلد بہت پائدار اور خوشنما بنوائی گئی ہے۔

(ڈمائی سائز۔ صفحات ۱۵۱۳ + ۳۳) قیمت سولہ روپے علاوہ محصول ڈاک

اسٹوڈنٹس انگلش اُردو ڈکشنری

یہ بڑی لغت کا اختصار ہے۔ لیکن باوجود اختصار کے بہت جامع ہے۔ صرف متروک اور غریب الفاظ یا بعض ایسی اصطلاحات جن کا تعلق خاص فنون سے ہے اور ادب میں شاذ و نادر استعمال ہوتی ہیں، خارج کر دی گئی ہیں۔

۱۸×۲۲ سائز، حجم ۱۴۶۲ + ۱۹ صفحے قیمت پانچ روپے علاوہ محصول ڈاک۔

انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی

سلسلۂ انجمن ترقّیٔ اُردو نمبر ۱۱۱

شکُنتلا

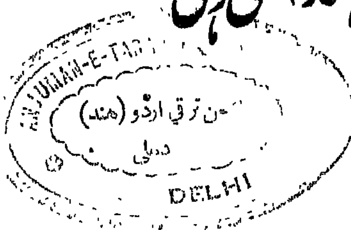
از

کالی داس

مترجمہ

سید اختر حسین رائے پوری
بی اے (علیگ) ساہتیہ النکار

شائع کردۂ
انجمن ترقّیٔ اُردو (ہند) نئی دہلی



فہرست مضامین شکنتلا



خانصاحب عبداللطیف خاں نے لطیفی پریس دہلی میں چھاپا
اور
مینیجر انجمن ترقئ اردو (ہند) نے نئی دہلی سے شائع کیا

ا

مقدمہ

کیا تمھیں بہار کا شباب دیکھنا ہی؟ کیا تمھیں خزاں کی شفق کا نظارہ کرنا ہی؟ تمھیں وہ سب کچھ چاہیے جس میں حسن کے ساتھ عظمت ہو اور تسکین کے ساتھ لطف؟ اور یا تم زمین و آسمان کی تمام رنگینیوں سے آشنا ہونا چاہتے ہو؟ تو لو — میں شکنتلا کا نام لیتا ہوں ——اور تمھیں یہ سب مل گیا!
(گوئٹے)

کالی داس کا یہ ناٹک ہندوستانی ادب کا انمول موتی ہی۔ اٹھارھویں صدی کے آخر میں جب سر ولیم جونس نے انگریزی میں اس کا ترجمہ کیا تو یورپ کے ادبی حلقوں میں ہل چل سی مچ گئی۔ پھر اسے جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کا پلّہ عمر خیّام کی رباعیات سے ہلکا نہیں۔ مغرب کی تمام زبانوں میں ——جپسیوں (خانہ بدوشوں) تک کی بولی میں—— اس کے ترجمے شایع ہوئے۔ گوئٹے جیسے ادیب نے جی کھول کر اس کی داد دی اور گوتیر جیسے شاعر نے فرانسیسی میں اس کا اوپیرا لکھا۔ اب 'ہیملیٹ' اور 'فاؤسٹ' کے ساتھ اس کا شمار دنیا کے تین بہترین ڈراموں میں ہوتا ہی۔

خود اپنے دیس کے ادب میں شکنتلا کا مقام بہت اعلیٰ ہی۔ سنسکرت کے رسیا اس کے قدیم شیدائی ہیں۔ ملک کی تمام ادبی زبانوں میں اس کے بھلے برے ترجمے ہو چکے ہیں۔ لیکن اردو اب تک اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہی۔ کالی داس نے جو تین ڈرامے لکھے ہیں، ان میں سے ایک یعنی

'بکرم اُروَسی'، اردو میں منتقل ہو چکا ہے۔ دوسرا یعنی 'مالوکا اگنی متر' نقشِ اوّل ہے اور باقی دونوں کی رفعت کو نہیں پہنچتا۔ البتہ، اس کا محفلِ رقص کا سین بہت مشہور ہے اور رسالۂ اُردو کے کسی پچھلے نمبر میں اس کا ترجمہ شایع ہو چکا ہے۔ تیسرا ڈراما 'شکنتلا' ہے جس کا ترجمہ پیش نظر ہے۔

دنیا کے بڑے ادیبوں میں بہتیرے ایسے ہیں جن کے حالات کا پتہ نہیں۔ لیکن کالی داس جیسا کوئی نہیں۔ مدّتوں کی چھان بین کے باوجود اب تک نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کس زمانے اور کس مقام کا آدمی تھا۔ ایشیائی ادیبوں کی لن ترانی کے مقابلے میں یہ خود فراموشی اور انکسار اس کی اخلاقی تہذیب کا شاہد ہے۔

اس کے متعلق جو نظریے قائم کیے گئے ہیں ان سب کی بنیاد اس کے اسلوب، الفاظ اور محاوروں کے استعمال اور مخصوص مقاموں، رسموں اور دیوتاؤں کے ذکر پر ہے۔ ان کی بنا پر محققین کا ایک گروہ اسے چوتھی پانچویں صدی میں جگہ دیتا ہے اور قیاس کہتا ہے کہ شاید یہ خیال ٹھیک ہو۔

کالی داس کی جو تحریریں اب تک دستیاب ہوئی ہیں، ان میں ان ڈراموں کے علاوہ رگھو ونش، کمار سنبھو، رِتو سنہار اور میگھ دوت نامی نظمیں بھی ہیں۔ آخر الذکر کا ترجمہ اردو میں ہو چکا ہے۔ دراصل یہ نظمیں ہی ہیں جن کی بنا پر کالی داس سنسکرت کا سب سے بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے کیونکہ برہمنوں کے ادبی نظریہ کے مطابق ڈراما بھی ایک قسم کی نظم ہے جسے وہ 'درشیہ کاویہ' یعنی 'نظم مشہود' کہتے تھے۔ ڈراما کا مقصد زندگی کی کوئی تصویر پیش کرنا نہیں بلکہ کسی 'رس' کا اظہار محض ہے۔ اردو یا کسی اور زبان میں 'رس' کا ہم معنی کوئی لفظ نہیں، کسی حد تک یہ 'جذبہ' کے قریب آسکتا ہے

شکنتلا کا قصہ کالی داس کے تخیل کی اُپج نہیں۔ یہ بھی اس عظیم الشان داستان 'مہا بھارت' کی ایک کڑی ہے۔ یہ پوتھی ایک آئینہ خانہ ہے جس میں قدیم ہندو زندگی کا ہر پہلو صاف صاف نظر آتا ہے۔ اگر ایک طرف اس میں 'گیتا' موجود ہے تو دوسری طرف نل دمن کی پریم کہانی بھی ہے۔ کہیں بزم کی رنگ رلیاں ہیں تو کہیں رزم کی مار دھاڑ۔ شکنتلا کا قصہ بھی اسی میں نظم ہے اور بجائے خود بہت پُرلطف ہے۔ اس کا ایک ذرا سا خاکہ دینا بے محل نہ ہوگا، تاکہ ڈرامے کے پلاٹ سے اس کا مقابلہ ہو سکے۔

راجہ دُشینت شکار کھیلتے ہوئے ایک تپ بن میں جا پہنچتا ہے اور وہاں شکنتلا کو دیکھتا ہے۔ پہلی ہی نظر میں اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ وہ بھی اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ راجہ کہتا ہے کہ ہم گاندھرو ریت کے مطابق شادی کر لیں۔ پرانے زمانے میں جن مختلف قسم کی شادیوں کا رواج ہندی آریاؤں میں تھا، ان میں سے ایک یہ بھی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دو چاہنے والے اپنی مرضی سے بیاہ کر سکتے تھے، کسی تیسرے آدمی کی شہادت کی ضرورت نہ تھی۔ پہلے تو شکنتلا جھجکی اور کچھ آنا کانی کرتی رہی لیکن راجہ ان معاملوں میں مشاق تھا۔ اس نے ایسی باتیں بنائیں کہ وہ جھانسے میں آگئی۔ اور اس شرط پر شادی کے لیے رضامند ہوگئی کہ اس کا بیٹا گدی کا وارث ہوگا۔

بیاہ کے بعد راجا اپنی نگری کو لوٹ گیا۔ اِدھر شکنتلا کے اس سے ایک لڑکا ہوا۔ برسوں گزر گئے اور جب راجا نے کچھ سُن گُن نہ لی تو وہ خود دو سادھوؤں اور اپنے بیٹے کو لیے ہوئے دربار جا پہنچی۔ راجا بھولا تو نہ تھا لیکن دنیا کے دکھاوے کے لیے اس نے اسے پہچاننے سے

انکار کر دیا - یہی نہیں بلکہ راجا نے اسے طرح طرح کی کھری کھری سنائی۔ سادھو یہ تماشہ دیکھ کر وہاں سے چمپت ہو گئے لیکن شکنتلا دلیری سے وہیں ڈٹی رہی - اپنی پاک دامنی کو سرِ بازار رُسوا ہوتے دیکھ کر وہ غصّے کے مارے کانپنے لگی - مہا بھارت کے شاعر نے یہ نقشہ بڑی خوب صورتی سے کھینچا ہے - یہ سن کر وہ گُدگُدے سرّین والی سشرم کے مارے وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی - گویا یہ بیچاری درخت کی ایک سوکھی ساکھی ٹہنی تھی جسے پالا مار گیا تھا - اس کی آنکھیں غصّے سے سُرخ ہو گئی تھیں اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی جلتی ہوئی چتونیں راجا کو ابھی خاک سیاہ کر دینگی۔ تمتماتے ہوئے چہرے اور چور نگاہوں سے راجا کو دیکھتی ہوئی وہ خشک ہونٹوں والی بولی کہ "مہاراج! تم تو بڑے آدمی ہو، یہ اوچھا بول تمھیں زیب دیتا ہے۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر ذرا تو کہو کہ دودھ کیا ہے اور پانی کیا ہے - کسی کی پچ نہ کر کے بتاؤ تو سہی کہ حقیقت کیا ہے - اپنے ضمیر کی آواز کو یوں نہ ٹھکراؤ - جو اپنے ضمیر کی اصل شکل کو مسخ کرتا ہے وہ سب سے بڑا مجرم ہے - اپنی خودی کے چور سے بڑا چور اور کون ہو سکتا ہے۔

تم سوچتے ہو گے کہ میرے من کی بات کو کون جانتا ہے - یوں نہ سمجھو کیونکہ من کے مندر میں ایک بڑا دیوتا رہتا ہے - اور وہ ہر نیکی و بدی کا حساب رکھتا ہے - اس کے دیکھتے سنتے تم اتنی بڑی تہمت تراش رہے ہو - ہر بدکار اسی خام خیالی میں مبتلا رہتا ہے کہ میرے کیے کی کسی کو خبر نہیں - آسمان پر رہنے والا خدا اور دل میں رہنے والا انسان ـــــ یہ دونوں اسے خوب جانتے پہچانتے ہیں - سورج اور چاند

مٹی اور پانی، ہوا اور آگ، دن اور رات، صبح اور شام — یہ سب انسان کی زندگی کے گواہ ہیں۔ یم (موت کا دیوتا) اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہی جو نادم اور تائب ہی، لیکن جس کی فطرت بد ہوتی ہی یم اس کے لیے بجلی کا کوڑا تیار رکھتا ہی۔ جو اپنے ضمیر کو حقیر سمجھتا ہی اور اس کی ہدایت کے خلاف عمل کرتا ہی، دیوتاؤں کا رحم و کرم اس کے لیے نہیں "

اتنے میں ایک آکاش بانی ہوتی ہی کہ "اے دُشینت، تونے جو مشعل جلائی تھی اس کی آگ کو پہچان؛ جو بیج بویا تھا اس کے ثمر کو جان" یہ سُن کر راجا کو سُدھ آتی ہی۔ بڑے حیلے حوالے کرتا ہی۔ کہتا ہی کہ پہلے انکار نہ کرتا تو دنیا کو یقین نہ آتا۔ پھر وہ شکنتلا کو مہارانی اور بچّے کو اپنا وارث بنا لیتا ہی۔

یہ قصّہ بالکل سیدھا سادا ہی۔ دربار کے سین کے علاوہ اس میں کوئی ڈرامائی منظر نہیں۔ شکنتلا کا کردار بےحس ہی اور راجا کا سلوک سراسر نفرت انگیز ہی۔

کالی داس نے اپنا پلاٹ یہیں سے لیا ہی۔ سنسکرت کے ڈرامائی نظریے کے مطابق ناٹک کا پلاٹ قدیم اساطیر سے لینا ضروری تھا۔ ابتدائی تمثیل نگار مثلاً بھاس، بھوبھوتی اور کالی داس اس قسم کی تحدیدوں پر سختی سے عمل کرتے ہیں۔ پھر یہ کوئی انوکھی بات بھی نہیں شیکسپیئر، گوئٹے وغیرہ کے پلاٹ اسی قسم کے قصّوں سے مستعار ہیں۔ ٹھکھڑ سے ٹھکھڑ برتن کی اصل وہی کچّی مٹّی ہی۔ دیکھنا یہ ہی کہ ان بے ترشے پتھروں کو جوہری نے کیسی جِلا دی ہی۔

مہا بھارت کی کہانی میں سب سے بڑا عیب یہ تھا کہ راجا کے رویّہ کی بظاہر کوئی وجہ نہ تھی۔ وہ ایک شہوت پرست دنیا دار تھا جو ایک بھولی بھالی لڑکی کو پھسلا کر اپنا کام نکال لیتا ہو اور پھر اس کی بات بھی نہیں پوچھتا۔ آمنا سامنا ہونے پر بھی وہ ڈھٹائی سے کام لیتا ہو اور ہرگز پشیمان نہیں ہوتا تاوقتیکہ آواز غیب نہیں سنائی دیتی۔ شکنتلا ایک گنوار مگر ہوشیار لڑکی ہو۔ اس کا کردار نرا پھیکا پھاکا اور بے نمک ہو۔

کالی داس نے اس بے جان کہانی کو بڑی خوبی سے زندہ کیا ہو۔ راجا چلتے چلتے شکنتلا کو ایک انگوٹھی دے گیا۔ چند روز بعد آشرم میں ایک بگڑے دل سادھو کا گزر ہوا۔ شکنتلا اپنے پیا کی یاد میں ایسی حیران و پریشان بیٹھی ہو کہ مہمان کا دھیان نہیں۔ اُس زمانے میں مہمانوں کی عزّت دیوتاؤں سے زیادہ ہوتی تھی۔ معاشیات کے عالم اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ سماج میں نجی دھن مال کا خیال ابھی نیا تھا اور مہمان نوازی اس خیال کی بازگشت تھی کہ قدرت کے بھنڈار پر ہر فرد بشر کا مساوی حق ہو۔ جو بھی ہو، یہ سادھو اپنی اس ہتک پر سخت برہم ہُوا اور بد دعا دی کہ تو جس کے دھیان میں یوں مگن ہو وہ تجھے یکسر بھول جائے گا۔ جب منّت سماجت کی گئی تو اس نے کہا کہ اچھا، انگوٹھی دیکھ کر وہ تجھے پھر پہچان لے گا۔ جب شکنتلا آشرم سے پیتم کے گھر چلی تو وہ انگوٹھی ناگہانی ایک ندی میں گر پڑی اور شومئ قسمت کہ اسے اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔

اس میں شک نہیں کہ یہ تصوّر دلچسپ ہے اور اس سے داستان کا لطف بڑھ گیا۔ راجا کے دامن سے کلنک کا دھبّا چھُٹ گیا اور شکنتلا کی معصومیت اور بھی نکھر گئی۔ ہمارے لیے یہ بات انہونی سی ہے کہ کسی کی بد دعا کا اثر اتنا دور رس کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن کالی داس کے زمانے میں ایک برہمن کا قول سب کچھ بنا بگاڑ سکتا تھا اور کسی راجا سے گناہ کا ارتکاب ہونا محال تھا۔ یاد رہے کہ ہندو تمثیل نگاریں میں اپنے یونانی ہم کاروں کی آزادیٔ خیال ہمیشہ ناپید رہی اور ہندوستانی مزاج نے خود تنقیدی کی ٹیڑھی راہ سے برابر گریز کیا۔

اس پس منظر کے بعد اب اصل ڈرامے کی طرف آئیں اِس کی روح شکنتلا کی ذات ہے۔ ہزاروں سال بیت گئے، لیکن شکنتلا کی صورت میں ہم اب بھی اُس ہندوستانی لڑکی کو دیکھ سکتے ہیں جس کا چہرہ ابھی غازے کے بارسے مسخ نہیں ہوا ہے۔ ہمیں اس بحث میں نہیں پڑنا ہے کہ یہ کردار کن خوبیوں اور کمزوریوں کا حامل ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ ہندوستان کی نسوانیت کی یہ تصویر صحیح ہے، یا غلط۔ اس نظر سے دیکھیں تو شکنتلا کے سینے میں ہم اس کی بے شمار بہنوں کے قلب کی دھڑکن سُن سکتے ہیں۔ اس کی محبّت بے پایاں ہے۔ ماں باپ، شوہر، اولاد اور سکھی سہیلیوں کو بانٹ کر بھی یہ آمر گنگا خشک نہیں ہوتی۔ چرند، پرند اور پیڑ پودے تک اس چشمۂ حیواں سے سیراب ہوتے ہیں۔ اس محبّت میں لین دین کا کوئی جذبہ نہیں اس کے بدلے وہ کسی چیز کی توقع نہیں رکھتی۔

اور اس کی تصویر بنانے میں کالی داس نے نزاکت اور نفاست

کی انتہا کر دی ہے۔ ایشیائی شاعروں میں تناسب، موقع شناسی اور تہذیب کے اعتبار سے کوئی اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچا۔ وہ تصویر میں رنگ دینا ہی نہیں جانتا بلکہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ کس رخ پر روشنی کی کون سی کرن پہنچے۔ سنسکرت میں اس کی تشبیہیں ضرب المثل ہیں۔ اس کا تخیّل جتنا بلند ہے، اس کا مشاہدہ اتنا ہی صحیح ہے۔ اس میں مبالغہ کو دخل نہیں۔ مثلاً پہلے منظر میں گھوڑے کی تیزئی رفتار کو لیجیے۔ یا آخری سین میں اندر کے رتھ کے آسمان سے نیچے اترنے کے بیان کو دیکھیے۔ جنھوں نے جوش اور غصّے سے سرپٹ بھاگتے ہوئے گھوڑے کو غور سے دیکھا ہے اور ہوائی جہاز کی قلا بازیوں کا لطف اٹھایا ہے، وہ مانیں گے کہ کالی داس کا ایک ایک لفظ حقیقت پر مبنی ہے۔ ایسے مقام ڈرامے کے ہر ہر صفحے پر آئیں گے۔

یہ سوال ذرا کٹھن ہے کہ کالی داس نے یہ ناٹک کسی مقصد سے لکھا تھا یا نہیں۔ سنسکرت کا فن ڈراما اس قدر محدود ہے اور تمثیل نگار کا قلم اتنے تعیّنات میں چلتا ہے کہ دل یا نگاہ کو اِدھر اُدھر بھٹکنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ ناٹک شاستر نے ایک اٹل لکیر کھینچ دی ہے، جس کے باہر قدم رکھنے کا ہیاؤ اُس زمانے کے لوگ نہ کر سکتے تھے۔ پلاٹ کہاں سے لیا جائے، ہیرو کون ہو، ہیروئن کون ہو، وہ کس زبان میں بولیں ——— غرض کہ ہر باریک سے باریک نکتہ معیّن کر دیا گیا ہے۔ اور ان تمام قیود کے بعد صرف یہ کہنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ آرٹ کی تخلیق حرام ہے!

ظاہر ہے کہ ان بندشوں میں رہ کر حقیقی فن کاری دشوار ہے۔ صنعت گری دوسری چیز ہے۔ مگر جو برہمن ذہنیت رنگ سازوں اور

بڑھیوں کے لیے بھی قانون و ضوابط بنانے سے نہ چوکتی تھی، وہ بیچارے ناٹک والوں کا گلا یوں آسانی سے کب چھوڑ دیتی ۔ غرض کہ فنی تخلیق کی گردن میں پھندا سا پڑگیا اور اس کا دایرۂ کار بہت ہی محدود ہو گیا۔ مگر سب سے زیادہ نقصان اس چلن سے ہوا کہ کوئی ناٹک المیہ نہ ہو۔ اسٹیج پر کوئی ٹریجیڈی نہ دکھائی جائے ۔ اور اگر کوئی دنیوی طاقت رنج و محن کے اسباب پیدا بھی کرے تو اس کے سدِّباب کے لیے دیوی دیوتاؤں کی ایک فوج تیار ہو۔ کہنے کی بات نہیں کہ انسان کی عظمت اس کی ٹریجیڈی میں مضمر ہو۔ اور ادب کے اکثر شاہکاروں کا اظہار اسی صنف میں ہوا ہو۔

ہمارے سوال کا جواب یہیں ملتا ہو۔ ایک طرف آرٹ کے خودرو رجحانات تھے جو لا محالہ ٹریجیڈی کی طرف جاتے، اور دوسری طرف پنڈتوں کے خود ساختہ اور بے معنی آئین تھے جو فن کار کو پُرانی لکیروں پر چلنے کو مجبور کر رہے تھے۔ کالی داس کمزور تھا، اجتہاد نہ کرسکا۔ ادبی روایتوں کا دامن نہ چھوڑ سکا۔ خیال کی دنیا میں نشان برداری کا کام بڑے جیوٹ کا ہو، اور یہاں بڑے بڑوں کے پیر اُکھڑ جاتے ہیں۔ تمثیلی وحدتیں (UNITIES.) بتا رہی ہیں کہ یہ بہت بڑی ٹریجیڈی ہو۔ لیکن بُرا ہو ان روایتوں کا کہ کالی داس جیسا باکمال بھی ٹھٹک گیا اور اسے بھی دست غیب کا آسرا ڈھونڈنا ہی پڑا۔

یہ ہندوستانی عورت کی ٹریجیڈی ہو۔ یہ اس کی بیچارگی کا مرثیہ ہو۔ یہ اس مرد کی سفّاکی کا شکوہ ہو جو بھولی بھالی کنواریوں پر ڈورے ڈالتا ہو۔ اس وقت تک اُن کا رس پیتا ہو جب تک چھک نہیں جاتا

اور پھر انھیں پرانی جوتیوں کی طرح اتار کر پھینک دیتا ہے۔ ہیملیٹ کی ٹریجیڈی زیادہ عظیم الشان ہے کیونکہ وہ دنیا کے اژدحام میں انسان کی تنہائی کی تصویر ہے۔ اور فاؤسٹ کا الم زیادہ عبرتناک ہے کیونکہ یہ ایک روح کی خودکشی کا نظارہ ہے۔ لیکن شکنتلا کا افسانہ ان دونوں سے زیادہ دردناک ہے کیونکہ اس کا سوگ بیزبان ہے۔ وہ ایک دوشیزہ کی فریب خوردگی یا مایوسی نہیں بلکہ ایک ماں کی تو بین کی کہانی ہے۔ ہیملیٹ اپنی محبوبہ کی پکار کو نہیں سن سکتا کیونکہ اس کی عقل بھٹک رہی ہے۔ فاؤسٹ اپنی عاشقہ کی کراہ کو نہیں سن سکتا کیونکہ وہ اپنے حواس بیچ چکا ہے۔ لیکن دُشینت اپنی پیاری کی آواز کو نہیں پہچانتا کیونکہ وہ اسے بھول چکا ہے۔

ایک عورت اپنے محبوب کے آگے کھڑی ہے۔ اس کے کانوں میں اب تک وہ مدبھرے گیت گونج رہے ہیں جو اس بھولنے والے نے کل اسے سنائے تھے۔ اور اس کے ہونٹوں پر اب تک اس کا بوسہ رقص کر رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ اس کے بچّے کی حامل ہے۔ وہ دنیا کے راہ و رسم سے بیگانہ ہے۔ جنگل کے پیڑ پودوں میں اس کی چھوٹی سی عمر گزری ہے۔ کل جب مرد نے اسے زندگی کا ایک نیا ـــــ اور عورت کے لیے سب سے بڑا ـــــ راز بتایا تھا، وہ اس کی پناہ لینے آتی ہے۔ اس نے بے سوچے سمجھے محبّت کے بھنور میں اپنی کشتی ڈال دی تھی۔ اب وہ اپنے باپ کے گھر نہیں لوٹ سکتی، ساحل کی زندگی اس کے لیے نہیں۔

وہ امیدوں اور ارمانوں کا طلسم لیے ہوئے اپنے محبوب کے

دربار میں آئی ہی تھی کہ اس کی ایک "نہیں" نے خوابوں کی دنیا کو اجاڑ دیا۔ وہ بے درد اسے پہچاننے تک سے انکار کر دیتا ہے۔ وہ تو یہ بھی کہہ گزرتا ہے کہ یہ بچّہ کسی اور کا ہے، تو کسی اور کی ہے۔

یہ ہے وہ جواب جو مرد، عورت کو مدّتوں سے دیتا آیا ہے۔ حرامی بچّوں اور بدنصیب طوائفوں کا سلسلہ یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ تہذیب کے دامن پر یہ کتنا بدنما کلنک ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو شکنتلا اسی کی دُکھ بھری کہانی ہے۔

سچ پوچھا جائے تو ناٹک یہاں ختم ہو جاتا ہے۔ سنسکرت ادب میں ایک جگہ اور ایسا ہی واقعہ آیا ہے۔ جب رام چندر لنکا سے سیتا کو لے کر لوٹتا ہے تو دنیا کو ۔۔۔ اور خود اسے ۔۔۔ اُس کی پاک دامنی پر شبہ ہوتا ہے۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق اسے آگ میں جلاکر دیکھا جاتا ہے اور اسے آنچ بھی نہیں لگتی۔ اس کے بعد کسی کو اس پر الزام دھرنے کا حق نہیں رہتا۔ لیکن مرد کا رشک یوں ٹھنڈا نہیں پڑتا۔ سیتا اس توہین کو برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ اپنی دھرتی ماتا سے التجا کرتی ہے کہ مجھے اپنی گود میں جگہ دے۔ اور زمین پھٹ کر اسے نگل لیتی ہے۔

شکنتلا کا انجام بھی اس سے کچھ ملتا جلتا ہے۔ اس کی ماں جو ایک پری ہے، اسے اٹھاکر آسمان پر لے جاتی ہے۔ یہ ڈراما کا نکتۂ عروج ہی نہیں بلکہ، انجام بھی ہے۔ ناظر خود محسوس کرے گا کہ اس کے بعد فن کار کی قوت میں رفتہ رفتہ انحطاط ہو رہا ہے۔ اسے پہچاننے کے لیے تھوڑی سی نکتہ شناسی کی ضرورت ہے، کیونکہ کالی داس حسن بیان

کا راجا ہے اور اس کے الفاظ کا جادو ایسا نہیں کہ ہر کوئی بچ جائے۔

اس ڈرامے کے پہلے مترجم سر ولیم جونس نے کالی داس کو ہندوستان کا شیکسپیر کہا ہے۔ در اصل یہ مرتبہ اس کو پھبتا بھی ہے۔ لیکن ہمیں نہ بھولنا چاہیے کہ کالی داس کا میدان بہت تنگ ہے اور اس میں ایک قسم کی خود اطمینانی اور بے نیازی سی ہے۔ دنیا کی کشاکش اور قدرت کے راز اس کے دل میں کوئی تجسّس پیدا نہیں کرتے۔ ذہنی اعتبار سے اس کی حیثیت ایک طبّاع شاگرد کی ہے جو اپنے استاد کے بتائے ہوئے اصولوں پر آنکھ بند کرکے عمل کرتا جاتا ہے۔ اس کے سامنے کروڑوں شودر اور اچھوت جانوروں سے بدتر زندگی لبسر کرتے تھے۔ لیکن وہ اُن پر نگاہ ڈالنے کی بھی جرأت نہیں کرتا۔ برہمن کی حمد اور راجا کا قصیدہ ـــــ یہ اس کا بندھا بندھایا فرض منصبی ہے۔ اس کی کوئی تحریر ہم میں بیقراری اور بے چینی پیدا نہیں کرتی۔ اس کا درس سکون کا ہے۔ اس کے دروازے کے آگے بھوکوں اور کنگالوں کا انبوہ لگا ہوا ہے اور وہ کنڈی لگاکر اپنا پیٹ بھر رہا ہے۔ جو لوگ سنسکرت ادب کے زوال کی ذمہ داری مسلمانوں کی فتح پر رکھتے ہیں، انھیں اس کے اسباب ادیبوں کی روایت پرستی اور اجتہاد بیزاری میں ڈھونڈنے چاہییں۔

لیکن ہمیں یہ بھی سوچنا ہے، کہ بہرحال کالی داس بھی اپنے زمانے کی اولاد ہے۔ یہ وہ دن تھے جب بودھوں کے حملہ کو روک کر برہمن پھر اُبھر آیا تھا۔ ہندوستان کی پوری تاریخ میں سماجی احتجاج کی جو ایک ہلکی سی چیخ سنائی دی تھی، برہمن نے اسے دبا دیا تھا۔

اس کشمکش کا ردِ عمل اس صورت میں ہونا ہی تھا کہ لوگ اپنی روایتوں پر زیادہ شدّت سے عامل ہو جائیں۔ جب تک تاریخ کا نیا دور شروع نہیں ہوتا، ادب میں بھی کوئی نیا رجحان پیدا نہیں ہوتا۔

حیرت تو اس پر ہے کہ اتنے بندھنوں میں رہ کر بھی کالی داس یہ ستارہ کس آسمان سے توڑ لایا۔ یہ سچ ہے کہ وہ ہمیں ایسا پھل نہ دے سکا جسے انسانیت چکھ سکے۔ لیکن اس کے بدلے اس نے ہمیں ایک ایسا سدا بہار پھول دیا جسے ہم رہتی دنیا تک سونگھ سکتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ ناٹک کا پردہ اٹھے اور ناظرین اس کی رنگینیوں میں کھو جائیں، ہمیں ان سے اس ترجمے کی داد لینا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ ترجمہ — اور وہ بھی کسی تمثائی ڈرامے کا ترجمہ بڑے جوکھوں کا کام ہے۔ اس پر طرفہ یہ کہ ترجمہ براہ راست سنسکرت سے کرنا تھا۔ سنسکرت اور اردو کی فطرتوں میں وہی فرق ہے جو کسی مالوا کے پنڈت اور لکھنؤ کے میرزا میں ہو سکتا ہے۔ اور سنسکرت بھی کالی داس کی، جو اس منجھی منجھائی اور دُھلی دُھلائی زبان کا سب سے بڑا صاحب طرز ہے۔ اس کی بلاغت اور معنی آفرینی ایک دوسرے پر وال ہیں اور ان دونوں کے ساتھ مختصر نگاری کا ایسا جھومر لگا ہوا ہے جو مترجم کی جان کا وبال ہے۔

اِدھر تو یہ دقتیں تھیں، اُدھر سنسکرت کی کسی ادبی تصنیف کا اردو میں براہ راست ترجمہ نہیں ہوا تھا کہ نقش قدم کا کام دیتا۔ اس قسم کی یہ پہلی کاوش تھی۔ خود مشعل جلانا اور خود ہی راہ ٹٹولنا تھا۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر کالی داس کا وہ اشلوک بار بار یاد آتا تھا۔

جو اس نے 'رگھو ونش' کے آغاز میں لکھا ہے۔ یہ نظم رام چندر کے اجداد کا قصیدہ ہے۔ شاعر ان کے مقابلے میں اپنی بے بضاعتی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "کہاں یہ اونچا پورا پیڑ اور کہاں مجھ بونے کی کوشش کہ اس کی ٹہنیوں سے کوئی پھل اُچک لوں"۔

بہر حال کام کرنے کا تھا اور کیا گیا۔ بھلے بُرے کی مجھے خبر نہیں۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ترجمہ ایمانداری سے کیا گیا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت ہمیشہ یہ اصول پیش نظر رہا ہے کہ اگر یہ ناٹک اردو میں لکھا جاتا تو اس کا روپ کیا ہوتا۔ اصل عبارت میں نظم و نثر کا عنصر نصف نصف ہے۔ ترجمے میں نظم کو مکالمے میں یوں گھلانے کا جتن کیا گیا ہے کہ بے ربطی پیدا نہ ہو۔ اب جانچنے والے خود اس کے کھوٹے کھرے کی پرکھ کریں۔

یہ شگون نیک ہے کہ ادب العالیہ کے تراجم کی جو اسکیم انجمن نے سوچی ہے، اس کی ابتدا اپنے ملک کے سب سے بڑے ادبی شاہکار سے ہو رہی ہے۔

پیرس
مارچ ۱۹۳۸ء

اختر حسین۔

کردار ڈراما

مرد:۔

دُشینت ہستنا پور کا راجا۔ پُرو کے گھرانے کا پانی دیوا۔
مادھو دُشینت کا یار غار، دربار کا مسخرہ۔
کنو تپ بن کے رِشیوں کا مُکھیا اور شکنتلا کا منہ بولا باپ۔
سرودمن دُشینت سے شکنتلا کا بیٹا۔ آگے چل کر اس کا نام بھرت ہوا جس سے ہندوستان بھارت ورش کہلایا۔
کشیپ ایک نامی گرامی جوگی جو برھما کا پوتا اور دیوتاؤں کا جنم داتا سمجھا جاتا تھا۔
ماتلی اِندر دیوتا کا رتھ بان۔
شارنگرو
شاردوت } کنو کے چیلے۔

(کوتوال، پیادے، دربان، حاجب، ماہی گیر، سادھو وغیرہ)

عورتیں:۔

شکُنتلا:۔ مینکا اپسرا (حور) کی بیٹی، کنو کی منہ بولی لڑکی۔
پریمودا
انسویا } شکنتلا کی سکھیاں

گوتمی — کنو رشی کی بہن ، ایک بوڑھی جوگن ۔
وسومتی — وشینت کی رانی ۔
سانومتی — ایک اپسرا (حور)، شکنتلا کی سہیلی ۔
ویترونی }
چترکا } محل کی لونڈیاں ۔
ادیتی — کشیپ رِشی کی بیوی ۔
(بھیلنیں ، عرض بیگن ، مالنیں ، جوگن وغیرہ)

اِشارات

ہر سنسکرت ڈراما حمد سے شروع ہوتا ہی جسے ڈرامائی اصطلاح میں 'ناندی' کہتے ہیں۔ ایک برہمن اسٹیج پر آکر اسے سُناتا ہی۔

پھر اداکاروں کا مکھیا جسے سوتردھار (اداآموز) کہتے ہیں آتا ہی اور اپنی نٹی یا دوسرے اداکاروں کو جتاتا ہی کہ آج فلاں کھیل ہوگا۔ اپنی گفتگو کے دوران میں وہ تماشائیوں کو آنے والے منظر کے لیے تیار کرتا ہی۔ اسے تمہید سمجھنا چاہیے۔

سنسکرت کے ناٹکوں میں ایکٹ یعنی 'انک' ہوتے ہیں لیکن مغربی ڈراما کی طرح انھیں مزید سینوں میں نہیں بانٹا جاتا، ایک ہی ایکٹ میں کئی کئی مناظر دکھا دیے جاتے ہیں اور بسا اوقات زمان و مکان کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ مقدمہ میں اِس کے متعلق تفصیل سے بحث کی گئی ہی۔

البتہ دو ایکٹوں میں ربط قائم کرنے کے لیے کبھی کبھی نئے ایکٹ کے شروع میں ایک چھوٹا سا تمہیدی منظر پیش کیا جاتا ہی جسے 'وشکمبھک' یا 'پرویشک' کہتے ہیں۔

عبارت میں جہاں بریکٹ کے اندر (خود) لکھا ہی اس سے مُراد یہ ہی کہ کردار اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہی، کسی اور کو نہیں سُنا رہا ہی۔ جہاں بریکٹ میں (بآواز) لکھا ہی اس سے مُراد یہ ہی کہ کردار کی خود کلامی ختم ہوگئی اور اب وہ دوسرے افراد کو مخاطب کر رہا ہی۔ انگریزی میں انہیں Aloud اور Aside کہتے ہیں۔

جب بریکٹ میں (علیحدہ) لکھا ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ کردار حاضرین میں سے کسی خاص آدمی کے کان میں کچھ کہہ رہا ہی۔

بریکٹ میں جہاں "پسِ پردہ" لکھا ہی اس سے یہ مراد ہی کہ دُور سے آواز آرہی ہی۔

پُرانِک تلمیحات

کتاب میں کہیں کہیں ایسی تلمیحات آگئی ہیں جن کا تعلّق ہندوؤں کی قدیم اساطیر سے ہے۔ متن میں ایسے مقاموں پر نشان بنا دیا گیا ہے۔ ذیل میں ان کے مطالب سلسلہ وار دیے جاتے ہیں :

(۱) پاروتی نے اپنے باپ 'دکچھ' کی مرضی کے خلاف شوجی سے بیاہ کرلیا تھا۔ اِس وجہ سے داماد اور خسر میں بڑی کٹا چھنی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ 'دکچھ' کے گھر "یگیہ" کی تقریب ہوئی جس میں شوجی کے سوا سب بڑے لوگ مدعو تھے۔ وہاں 'دکچھ' نے اپنی بیٹی کے آگے شوجی کو بھلا بُرا کہا۔ پاربتی پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ اس نے یوگ سادھ کر اسی وقت تن تج دیا۔ جب شوجی کو خبر ملی تو وہ دوڑے ہوئے آئے۔ 'دکچھ' کو مار ڈالا اور مہمانوں کو ٹھوک پیٹ کر نکال دیا۔ بیچارہ "یگیہ" ہرن کا روپ لے کر بھاگا اور شوجی تیر کمان لیے اسکے پیچھے دوڑے۔

(۲) پیاتی اور سرمشٹھا کا سورما بیٹا جو بڑا نامی گرامی راجہ ہوا ہے۔

(۳) روایت ہے کہ کسی زمانہ میں جب 'سند' اور 'اپسند' نامی دو راکشسوں نے دیوتاؤں کو دق کر ڈالا تو برھما نے انھیں فنا کرنے کے لیے ایک عورت پیدا کی جس کا نام 'تلوتما' تھا۔ کہتے ہیں کہ آج تک ایسی حسین عورت پیدا نہیں ہوئی۔ اسے 'لچھمی' کا پہلا اوتار بھی سمجھا جاتا ہے۔

(۴) ہندوؤں کے قدیم قانون کے مطابق ہر قسم کی پیداوار کے چھٹے حصّہ پر

راجہ کا حق سمجھا جاتا تھا۔

(۵) کسی زمانہ میں 'بلی' نام کا راجہ تھا جس نے دیوتاؤں کی زندگی دو بھر کردی تھی۔ جب اس کا ظلم حد کو پہنچ گیا تو وشنو بھگوان نے اسے سزا دینے کا تہیہ کیا۔ 'بلی' کو اپنی سخاوت پر ناز تھا۔ اس کے دروازے سے کوئی سائل خالی ہاتھ نہ لوٹتا تھا۔ وشنو نے ایک بونے (وامن) کا بھیس لیا اور اس سے تین ڈگ بھر زمین کا سوال کیا۔ 'بلی' نے ہامی بھردی تو وشنو نے ایک ڈگ میں دھرتی کو اور دوسرے میں آکاش کو اور تیسرے میں پاتال کو ناپ ڈالا اور اسکے بعد 'بلی' کا ٹھکانا کہیں نہ رہا۔ آکاش کو ناپتے وقت اپنا ڈگ 'سمیر' پہاڑ پر رکھا جہاں سے چاند نکلتا ہے۔

(۶) پُرو کے والدین ییاتی اور سرمشٹھا کی محبت پُرانے زمانہ میں بہت مشہور تھی۔

(۷) قدیم ہندو نظام زندگی کے مطابق گرہست (دنیادار) کو لازم تھا کہ ایک خاص عمر پہ پہنچ کر دنیا تج دے اور جنگل میں بیٹھ کر پوجا پاٹ میں اپنی آخری زندگی گذارے۔

(۸) پُرانوں کا کہنا ہے کہ زمین کا سارا بوجھ ناگوں کے راجہ کے سر پر رکھا ہوا ہے۔ اس کا نام شیش ناگ ہے اور اس کے پھنوں کی تعداد ایک ہزار ہے۔ وشنو بھگوان اس پر آرام فرماتے ہیں۔ عوام کا خیال ہے کہ جب شیش ناگ اپنے سر کو جنبش دیتے ہیں تو زلزلہ آتا ہے۔

(۹) 'ہرنیہ کشیپ' نامی راکشس کو شوجی کی دُعا تھی کہ وہ کسی انسان

ہتھیار یا بیماری سے نہیں مرسکتا۔ اس نے دیوتاؤں کو بری طرح تنگ کیا۔ مگر اسی کا بیٹا 'پرہلاد' اس سے باغی ہوگیا اور اسے بھگوان ماننے سے انکار کر دیا۔ جب 'ہرنیہ کشیپ' نے اسے مارنے کا ارادہ کیا تو وشنو بھگوان ایک عجیب الخلقت جانور کا روپ لے کر آئے اور اپنے ناخونوں سے پیٹ چاک کرکے اسے مار ڈالا۔ اس طریقہ سے شوجی کی دعا بھی نہ ٹوٹی اور وہ مار بھی دیا گیا۔

(۱۰) سرگ (جنّت) کا ایک پیڑ جسے 'شجرِ تمنّا' کہنا چاہیے۔ اس کے نیچے جاکر جو مانگیے اسی وقت مل جاتا ہے۔

(۱۱) دیکھیے — پانچواں نوٹ۔

(۱۲) ہندو تمثیل نگاری کے موجد 'بھرت' رِشی مانے جاتے ہیں اور 'نیاتے شاستر' ان سے ہی منسوب کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سنسکرت کا ہر تمثیل نگار ان کے نام کے ساتھ کتاب ختم کرتا ہے۔

۷

شکنتلا

ترجمہ

تمہید

حمد

(ایک برہمن اسٹیج پر آکر حمد گاتا ہی

ایشور تمہاری نگہبانی کرے ــــ وہ ایشور جس کی آٹھ صفات پردۂ شہود میں آئیں ــــ خالق کی پہلی تخلیق یعنی وہ جو قربانی کی آگ کو جلاتی ہی (آگ)، وہ جو قربانی کرتا ہی (برہمن)، وہ دونوں جو زمانہ کا تعین کرتے ہیں (سورج اور چاند)، وہ جو کائنات پر چھایا ہوا ہی اور سامعہ جس کی خصوصیت ہی (آکاش)، وہ جو رزق پہنچاتی ہی (زمین)، وہ جو جانداروں میں جان پھونکتی ہی (ہوا) ــــ ان آٹھوں صفاتوں کی مخزن وہ ذات پاک تمھاری حافظ و ناصر ہو ــ

[سوتردھار (اداآموز) آتا ہی]

سوتردھار (باہر دیکھ کر)۔
اجی، سنگار کرچکی ہو تو ٹک ادھر بھی آؤ۔

نٹی۔ (داخل ہو کر)۔ لیجیے، بندی حاضر ہی۔

سوتردھار ـــــ یہ پنڈتوں کی سبھا ہے۔ آج ہمیں ایک نیا تماشا دکھانا ہے
جس کا نام 'شکنتلا' ہے۔ اسے کالی داس نے لکھا ہے۔ اداکاری
پر خاص توجہ ہونا چاہیے۔
نٹی ـــــ آپ کی دیکھ ریکھ کے بعد کسی بھول چوک کا کھٹکا ہی نہیں رہتا
سوتردھار ـــــ بھئی، اسے کیا کروں کہ فن کار کو خود اپنے کمال پر بھروسہ نہیں
ہوتا۔ جب تک دیکھنے والوں کی زبان سے واہ نہ نکل جائے، بات
ہی کیا ہوئی۔
نٹی ـــــ ٹھیک ہے۔ یہ فرمائیے کہ اس وقت کیا کرنا ہے۔
سوتردھار۔ مناسب تو یہ ہے کہ کوئی وقت کی چیز سنا کر اس مجلس کو گرماؤ۔
نٹی ـــــ کس رُت کا گیت سناؤں۔
سوتردھار ـــــ گرمی ابھی شروع ہوئی ہے اور کچھ ایسی تکلیف دہ بھی نہیں
ہے۔ میری رائے میں تو اِسی رُت کا راگ چھیڑو۔ آج کل شام کا وقت
کتنا سُہانا ہو جاتا ہے جب پانی میں ڈبکی لگانے سے تسکین ہوتی
ہے۔ جنگل کی ہوا پھولوں میں لوٹ پوٹ کر دلآرام ہو جاتی ہے
اور گھنی چھاؤں میں فوراً نیند آجاتی ہے۔
نٹی ـــــ سچ ہے (گاتی ہے)۔

سرس کے پھولوں کو بہت نزاکت سے توڑ کر
سُندر ناریاں کانوں کے لیے جھومر بنا رہی ہیں۔
ان کے زرتار کتنے حسین ہیں
اور انھیں بھونروں نے ابھی ابھی چوما ہے۔

سوتردھار ـــــ بہت خوب۔ تمھاری تان نے ایسا سماں باندھا کہ تمام

مجلس پیکر تصویر بن کر رہ گئی۔ اب یہ بتاؤ کہ آج ہمیں کونسا تماشا دکھانا ہے۔

نٹی ۔ بھئی واہ۔ حضرت، آپ نے تو پہلے ہی اعلان کیا تھا کہ آج شکنتلا نامی ناٹک کی لیلا کرنا ہے۔

سوتر دھار۔ یاد آیا۔ پل بھر کے لیے میں سُدھ بُدھ بھول گیا تھا۔ گیت کی دُھن میرے خیال کو اسی طرح کھینچ لے گئی جیسے راجہ دشینت کو یہ ہرن کھینچ لایا ہے۔

(دونوں چلے جاتے ہیں)۔

ڈراپ

پہلا ایکٹ

مقام ــــ جنگل۔

[ایک ہرن کا پیچھا کرتے ہوئے تیر کمان ہاتھ میں لیے راجہ اور رتھ بان رتھ میں بیٹھے نظر آتے ہیں]۔

رتھ بان ۔ عمرت دراز۔

جب میری نظر ہرن پر اور آپ کے چڑھے ہوئے چلّوں پر پڑتی ہے تو بس یہ لگتا ہے کہ خود شوجی اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔[1]

راجہ ــ بھئی، یہ ہرن ہمیں کہاں سے کہاں لے آیا، اور اب بھی دیکھو کس مزے میں مڑ مڑ کر ہمارے رتھ کو کن انکھیوں سے تاکتا جاتا ہے۔ تیر لگنے کے ڈر سے دھڑ کے پچھلے حصّہ کو کبھی کبھی اگلے حصّہ میں سکوڑ لیتا ہے۔ اس کے نقش قدم پر ادھ چبی گھاس کے تنکے بکھرے ہوئے ہیں کیونکہ اس کا منہ تھکن کے مارے کھلا ہوا ہے ۔ اور ان برق رفتار چوکڑیوں کو تو دیکھو۔ یہ نہیں لگتا کہ وہ زمین پر ہے۔ یہی گمان ہوتا ہے کہ ہوا میں اُڑ رہا ہے۔ حالانکہ میں برابر اس کا پیچھا کر رہا ہوں، پھر بھی وہ کتنا آنکھ سے اوجھل ہو گیا ہے!

رتھ بان ــ مہاراج، یہاں تک زمین اتنی ناہموار تھی کہ مجھے روک روک کر رتھ چلانا پڑا اور ہرن آگے نکل گیا۔ لیکن اب سپاٹ میدان آگیا

---

[1] پُرانک تلمیحات ــ ۱

تو یہ بچ کر کہاں جاتا ہے۔

راجہ ــ تو اب گھوڑوں کی راس چھوڑو۔

رتھ بان۔ بہت خوب۔(تیزی سے رتھ چلاتے ہوئے ، سرکار، دیکھیے دیکھیے۔

راس ڈھیلی ہوتے ہی یہ گھوڑے کنوتی دبا کر یوں لپک رہے ہیں گویا اس ہرن کی تیزی سے خار کھا گئے ہوں۔ ہوا آگے بہ رہی ہے مگر کھُر سے اُڑی ہوئی دھول انکے پلّے نہیں لگ سکتی۔ انکے جسم کے اگلے حصّے آگے کھنچ گئے ہیں۔ کلغی بے حرکت ہوگئی ہے اور کان تن کر کھڑے ہو گئے ہیں۔

راجہ ــ سچ تو یہ ہے کہ انھوں نے اِندر اور سورج دیوتا کے گھوڑوں کو بھی مات کر دیا۔ رتھ کی تیزی کا یہ عالم ہے کہ جو چیزیں دیکھنے میں پہلے چھوٹی معلوم ہوتی تھیں ، وہ یک بیک بڑی ہوگئیں۔ جو بکھری ہوئی تھیں وہ ایک آن میں سمٹ گئیں۔ جو قدرتاً خم دار تھیں وہ چشم زدن میں ہموار ہوگئیں۔ گویا قربت اور فاصلہ میں کوئی فرق ہی نہ رہا۔ لو، اسے مرتے ہوئے بھی دیکھ لو۔

(چلّہ چڑھاتا ہے)۔

(پسِ پردہ)ــ مہاراج ، یہ آشرم کا ہرن ہے۔ اسے نہ ماریئے۔

رتھ بان۔(کان لگاتے ، آنکھیں گاڑے)۔

حضور، تیر کی زد اور ہرن کے درمیان سادھو آگئے ہیں۔

راجہ۔(جلدی سے) ــ تو پھر گھوڑوں کو روک لو۔

رتھ بان ــ بہت خوب (رتھ کو ٹھیرا لیتا ہے)۔

(ایک سادھو چیلوں کے ساتھ آتا ہے)۔

سادھو۔ (ہاتھ اوپر اٹھا کر) ۔۔

مہاراج، یہ آشرم کا ہرن کشتنی نہیں ہے۔ یہ تیر ہرن کے نازک جسم میں چبھنے کے لیے نہیں۔ یہ آگ پھولوں کی ڈھیری پر رکھنے کے لیے نہیں۔ کہاں ہرنوں کی ننھی منّی جان اور کہاں تمھارے ناوک جو تلوار کی طرح تیز اور کوندے کی مانند تند ہیں ۔

تو پھر بندہ پرور اس تیر کو ترکش میں رکھیے، کیونکہ یہ معصوموں کی جان لینے کے لیے نہیں، بلکہ ان کی جان بچانے کے لیے ہے۔

راجہ۔ اچھا، لیجیے، یہ چلّہ اتر گیا۔

(تیر نکال لیتا ہے)

سادھو۔ پُرو[1] کے گھرانے کے چشم و چراغ، یہی تیری شان کے شایان ہے۔ بھگوان کرے، تو ایسے بیٹے کا باپ ہو جو راجاؤں کا راجا ہو۔

راجہ۔ (ہاتھ جوڑ کر) ۔ آمین۔

سادھو۔ راجہ، ہم تو ایندھن جمع کرنے جاتے ہیں۔ وہ دیکھیے مالنی ندی کے کنارے ہمارے گُرو کنو رِشی کا آشرم ہے۔ اگر ہرج نہ ہو تو وہاں چلیے اور ہمیں میزبانی کا شرف بخشیے ۔

چلّے کی ڈوری سے آپ کے جن بازوؤں پر نشان بن گئے ہیں، اس کا دائرۂ پناہ کتنا وسیع ہے۔ اس کا اندازہ اس وقت ہوگا جب آپ اپنی آنکھوں سے سادھوؤں کو بے خوف و خطر پوجا پاٹھ کرتے دیکھیں گے ۔

راجہ ۔ کیا آپ کے گُرو وہیں ہیں ؟

---

[1] ملے چیرانک تلمیحات - ۲

سادھو۔ اپنی بیٹی شکنتلا کو مہمانوں کی آؤ بھگت کی ہدایت کر کے وہ ابھی
سوم تیرتھ اس غرض سے گئے ہیں کہ اس پر آنے والی ایک رِپتا کی
روک تھام کے لیے منّت مانیں۔

راجہ۔ خیر، میں شکنتلا سے ہی مل لیتا ہوں۔ میری بھگتی کا سندیسہ وہ
اپنے باباکو سُنا ہی دیں گی۔

سادھو۔ یہی کیجیے۔ اب ہم لوگ جاتے ہیں۔

(چیلوں کے ساتھ جاتا ہی)

راجہ۔ رتھ بان، گھوڑوں کو ہانکو۔ اس مقدس آشرم کو ایک نظر دیکھ کر
ہم اپنے پاپ دھولیں۔

رتھ بان۔ بہت خوب (رتھ چلاتا ہی)۔

راجہ۔ کسی نے بتایا نہیں، تاہم یہ مقام تپ[1] بن کا ڈانڈا معلوم ہوتا ہی

رتھ بان۔ یہ کیونکر؟

راجہ۔ کیوں، کیا دکھائی نہیں دیتا؟

اِدھر اُدھر وہ بالیں بکھری پڑی ہیں جو سُگّوں کے موکھوں سے نیچے
ٹپک پڑی ہیں۔ سِلوں کی چکناہٹ صاف بتا رہی ہی کہ انپر مالکنگنی
کے پھل توڑے جاتے ہیں۔ ہرن آدمیوں سے اتنے ہِل گئے ہیں
کہ رتھ کی گھڑگھڑاہٹ کا ان پر مطلق اثر نہیں اور وہ ذرا نہیں بِدکتے۔
پگڈنڈیوں سے لے کر ندی تک گیلے کپڑوں سے ٹپکی ہوتی بوندوں
نے لکیر سی کھینچ دی ہی۔ ہوا کے جھلورے ہوئے پانی سے ندی
کنارے کے پیڑوں کی جڑ دُھل دُھل کر سفید ہوگئی ہے اور

---

[1] تپ بن۔ اس جنگل کو کہتے تھے جو تپ جپ کے لیے مخصوص ہو۔

قربان گاہوں کے دھوئیں نے پتیوں کا رنگ بدل دیا ہی۔ ہرنوں کے بچے پھلواری میں ہولے ہولے چر رہے ہیں کہ کہیں اُگتے ہوئے پودوں کو نہ کچل دیں۔

رتھ بان - بالکل درست، اب میں بھی تپ بن کو پہچان گیا۔

راجہ - (تھوڑی دور جاکر)۔ کہیں آشرم والوں کا کچھ ہرج نہ ہو۔ رتھ روک لو تو میں یہیں اُتر جاؤں۔

رتھ بان - لیجیے، میں نے باگ کھینچ لی۔ اب آپ اُتر جائیں۔

راجہ (اُتر کر)۔ رتھ بان، آشرم میں قدم رکھتے وقت تن پر سادہ لباس ہونا چاہیے۔ اس لیے تم ان چیزوں کو سنبھالو۔ (جواہرات اور تیر کمان دے کر)۔ جب تک میں آشرم سے لوٹوں، تم گھوڑوں کی پیٹھ ٹھنڈی کرلو۔

رتھ بان - بہت خوب (باہر جاتا ہی)۔

راجہ (راستہ ڈھونڈھتے ہوئے)۔ یہ رہا آشرم کا دروازہ، یہیں سے اندر چلوں۔ (داخل ہوتے ہوئے، شگون دیکھ کر) -

یہ آشرم تو تپ جپ کا گھر ہی، پھر بھلا میری داہنی بانہہ کیوں پھڑک رہی ہی؟ یہاں اس کی تعبیر کیا ہو سکتی ہی؟

لیکن یہ نہ کہو۔ قسمت کے دروازے ہر جگہ کھل سکتے ہیں۔

(پسِ پردہ)۔ سکھیو، اِدھر اِدھر۔

راجہ - پیڑوں کے اس جھرمٹ کے پیچھے باتوں کی آواز کیسی آرہی ہی۔ زرا دیکھوں تو سہی۔ (اُدھر جاکر دیکھتے ہوئے)۔ اوہو! یہ تو آشرم کی کنواریاں ہیں جو پیڑ پودوں کو پانی دینے کے لیے اپنے اپنے ڈیل کے جوگ کوئی چھوٹی

کوئی بڑی گگری لیے ، اسی طرف آرہی ہیں ۔
(غور سے دیکھ کر)۔سبحان اللہ ۔کیسا بانکا رنگ روپ آیا ہے۔ اگر ایسا انوکھا روپ جو شاہی حرم میں بھی نایاب ہے، آشرم میں نظر آسکتا ہے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ چمن کی بیلیں جنگلی بیلوں سے آنکھ نہیں ملا سکتیں۔
اب میں اس پیڑ کی آڑ میں دبک جاؤں ۔ (چھپ جاتا ہے)۔
(شکنتلا اپنی سکھیوں کے ساتھ پانی دیتی ہوئی آتی ہے)۔

شکنتلا۔ بہنو ، اِدھر اُدھر۔

انسویا۔ پیاری شکنتلا ۔ یہ پودے کنویا کو تجھ سے بھی زیادہ محبوب ہیں، ورنہ وہ تجھ جیسی گل اندام سے ان کے تھلوں میں پانی دینے کی فرمائش کیوں کرتے ۔

شکنتلا۔صرف باباجی کے ارشاد کا پاس نہیں، بلکہ مجھے ان سے بہناپے کا ناتا بھی ہے۔

راجہ (خود)۔ ایں ، کیا یہی کنو کی بیٹی ہے ؟ اس زاہد خشک کی سوجھ دیکھو کہ ایسی نازک بدن سے آشرم کی زندگی بسر کراتا ہے۔اس البیلی سے تپ جپ کرانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی ببول کی ڈال کو کنول کی پنکھڑی سے کاٹنے لگے !

میں اس جھاڑی کی اوٹ سے اس ان جانی کو بخوبی دیکھ سکتا ہوں۔ (ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا ہے)۔

شکنتلا (رک کر)۔ بہن انسویا ، پرمبودا نے چولی کا بند اس قدر کس دیا کہ دم گھٹ رہا ہے۔ زری اسے ڈھیلی تو کر دینا ۔

انسویا۔ اچھا (ڈھیلا کرتی ہے)۔

پریمودا۔ اری ہی، اپنی جوانی کو نہیں کہتیں جو تمھارے جوبن کو اُبھار رہی ہی۔

راجہ (خود) ۔ واقعی یہ چھال اِس دھان پان کے لیے ناموزوں ہی۔
کاندھے پر بندھے ہوئے اور جوبنوں کو جکڑے ہوئے چھال کے برن میں اس کا کِھلتا ہُوا بدن ویسا ہی بے بس ہی جیسے سوکھی پتیوں میں ڈھنکا ہُوا پھول۔
مگر حسن خدا داد کو بناؤ سنگار کی پروا ہی کیا۔ چاند کے جمال کو اس کا سیاہ داغ رونق بخشتا ہی۔ کنول کیچ میں لپٹ کر بھی ہزار حسینوں کا ایک حسین رہتا ہی۔
یہ سرو قد چھال کے کپڑوں میں بھی بھلی لگتی ہی، کیونکہ حسن کے لیے کونسی شو باعث زیب نہیں ہی۔

شکنتلا۔ جب ہوا سے مولسری کی ٹہنیاں ہلتی ہیں تو ایسا لگتا ہی کہ وہ ہاتھ ہلاکر مجھے بلا رہا ہی۔ جاؤں اسکے پاس۔ (اُدھر جاتی ہی)۔

پریمودا۔ میں واری، پل بھر تم وہیں کھڑی رہو، کیونکہ تمھاری قربت پر یہ گمان ہوتا ہی کہ اس مولسری کو دل لگانے کے لیے ایک بیل مِل گئی ہی۔

شکنتلا۔ اسی لیے تمھیں پریمودا (شیریں کلام) کہتے ہیں۔

راجہ۔ (خود)۔ پریمودا نے شکنتلا سے بات پیاری کہی اور سچ بھی ہی
کیونکہ اس کے لب اسی بیل کی نئی کونپلوں کی طرح تازہ ہیں۔
بازو لچیلی شاخوں کی طرح نازک ہیں اور جسم میں جوانی پھول کی طرح کِھل رہی ہی۔

انسویا۔ پیاری شکنتلا، کیا تم اُس چمیلی کو بھول گئیں جس نے آم کے

اس پیڑ سے خود ہی بیاہ کرلیا تھا اور تم نے اس کا نام بن جوت رکھا تھا۔

شکنتلا۔ اسے تو تبھی بھولوں گی جب خود کو بھول جاؤں۔

(چمپلی کی بیل کے پاس جاکر)۔ جانی! کیسی سہانی گھڑی میں اس پیڑ اور بیل کا سنجوگ ہوا ہے۔ بیل کے پھول کہہ رہے ہیں کہ شباب کی آمد آمد ہے اور آم کی ٹہنیاں بتا رہی ہیں کہ وہ جوانی میں بھرپور ہے۔

پریمودا۔ انسویا جانتی ہو، شکنتلا کیوں اس چاؤ سے بیل کو تک رہی ہے؟

انسویا۔ بھلا میں کیا جانوں، تمھیں بتاؤ۔

پریمودا۔ وہ جی میں سوچ رہی ہے کہ اس بیل کو جیسا من بھاتا پیڑ مل گیا کاش ایسا ہی پیارا دولھا مجھے بھی مل جائے۔

شکنتلا۔ کہہ دیا اپنے دل کا حال (گگری الٹتی ہے)۔

راجہ۔ (خود) کہیں یہ کنو رشی کی دوسری ذات کی بیوی سے نہ ہو — اجی چھوڑو ان وسوسوں کو۔ بلاشبہ وہ چھتری سے بیاہی جاسکتی ہے کیونکہ میرا دل خود بخود اس کی طرف مائل ہوگیا ہے۔ مشتبہ معاملوں میں نیکوں کا ضمیر ہمیشہ راستی کی طرف جاتا ہے۔

پھر بھی اس کے حال چال کا ٹھیک ٹھیک پتہ لگاتا ہے۔

شکنتلا (سہم کر) ای ہے! پانی کا چھینٹا جو پڑا تو ایک بھونرا چمپلی کو چھوڑ کر میرے منہ پر جھپٹ پڑا۔

راجہ۔ (حسرت سے دیکھتے ہوئے)۔ بھونرے! ہم جس کی جستجو میں پریشان تھے، اُسے تو ہی لے پایا۔

تو بار بار اُن چنچل نینوں کو چھو لیتا ہے جن کی پلکیں تھر تھرا رہی ہیں۔ اس کے کانوں کے آس پاس تو اس طرح منڈلا رہا ہے

گویا چپکے چپکے کوئی راز بیان کر رہا ہو۔ وہ تو اپنے ہاتھ ہلا رہی ہو لیکن
تو ہو کہ اُس کے ہونٹوں کا رس پی رہا ہے۔ ارے یہی رس تو جانِ
آرزو ہو۔

شکنتلا۔ یہ ڈھیٹ بھونرا کسی طرح باز نہیں آتا۔ میں ہی یہاں سے ٹل جاؤں
(الگ ہٹ کر، دائیں بائیں دیکھتے ہوئے)۔ لو، یہ کل منہا ادھر
بھی آپہنچا۔ للہ مجھے بچاؤ۔ اس بیہودہ نے مجھے ہلکان کر دیا۔
دونوں سکھیاں (ہنس کر) ہم کون ہیں بچانے والے۔
دشینت کی دوہائی دو۔ تپ بن کا رکھوالا تو راجہ ہوتا ہی۔

راجہ (خود)۔ اپنے کو ظاہر کرنے کا یہی موقع ہو۔ ڈر ہے نہیں (کہتے
کہتے رک کر) لیکن میرا بھرم کھل جائے گا۔ خیر پھر یوں کیوں نہ کہوں۔

شکنتلا (ہٹ کر اور منہ پھیر کر)۔ اوئی، یہ کمبخت تو یہاں بھی میرا پیچھا
نہیں چھوڑتا۔

راجہ (جھٹ آگے بڑھ کر)۔ یہ کون ہو جو بھولی بھالی رشی کماریوں سے
چھیڑخانی کر رہا ہو۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ پُرو کا ایک نام لیوا
ناہنجاروں کا بیری، دُنیا پر راج کرتا ہو؟

انسویا۔ صاحب، کس کا دیدہ ہو کہ یہاں آکر چھیڑ چھاڑ کرے۔ ہماری
سہیلی کو ایک بھونرے نے اتنا دق کیا کہ وہ بیچاری تنگ آگئی
(شکنتلا کی طرف اشارہ کرتی ہو)۔

راجہ (شکنتلا کے سامنے آکر) آپ کی تپشیا کا کیا حال ہو؟
(شکنتلا حیا کے مارے پیکر تصویر بنی ہوئی ہو)۔

انسویا۔ آپ جیسے مہانوں کی آؤ بھگت بھی تو تپشیا ہی ہو۔ شکنتلا کُٹیا

جاکر پوجا کا سامان تو لے آؤ۔ پھل پھول لانا نہ بھولنا۔ پانو دھونے کے لئے یہ پانی کافی ہی۔

راجہ۔ آپ کے میٹھے بول میری تواضع کے لیے بہت ہیں۔

پریمودا۔ اِس پیڑ کی ٹھنڈی چھانو میں دم بھر بیٹھ کر پسینہ ہی خشک کر لیجیے۔

راجہ۔ ظاہر ہی کہ آپ سب بھی اس کام سے تھک گئی ہوں گی۔

انسویا۔ شکنتلا، ہمیں مہمان کے پاس بیٹھنا چاہیے۔ آؤ بیٹھ جائیں۔

(تینوں بیٹھ جاتی ہیں)۔

شکنتلا (خود)۔ کیا بات ہی کہ اس اجنبی کو دیکھ کر میں ایک ایسے جذبہ سے مغلوب ہوتی جا رہی ہوں جو اِس تپ بن کے لیے نا روا ہی۔

راجہ (سب کی طرف دیکھ کر)۔ آپ تینوں میتوں کو دیکھ کر آنکھوں کو پیت ہوتی ہی کہ سب کی عمریں برابر اور رنگ روپ ایک جیسا ہی۔

پریمودا (علیحدہ) انسویا، اس کی باتوں میں کیسا رس ہی اور کتنا سجیلا اور بانکا ہی یہ۔ آخر یہ ہی کون۔

انسویا۔ سکھی، میں بھی اسی سوچ میں ہوں۔ اچھا، میں اسی سے پوچھتی ہوں۔

(بآواز) جناب کی خوش اخلاقی میرا حیاؤ بڑھاتی ہی۔ یہ جاننے کو جی چاہتا ہی کہ آپ کس راج بنس کے سردار ہیں؟ کس دیس کو جدائی کا داغ دے کر آپ یہاں آئے ہیں؟ اس تپ بن تک آنے کی زحمت آپ نے کس غرض سے گوارا کی ہی؟

شکنتلا (خود) ارے دل بیقرار نہ ہو۔ لے انسویا نے تیری سی کہ دی۔

راجہ (خود)۔ بنا اپنا بھرم کھولے میں کس ڈھنگ سے تعارف کراؤں ——
اچھا، یہ کہوں گا۔
(بآواز)۔ پُرو بنسی راجہ نے مجھے دھرم کاج کی رکھوالی پر مامور کیا ہو۔ اس آشرم تک میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ تپ جپ میں کوئی رکاوٹ تو نہیں ہوتی۔

انسویا۔ تو یہ کہیے کہ ہمیں ایک پاسبان مل گیا۔
(شکنتلا پریم لاج سے گڑی جارہی ہو)

سکھیاں (اُس کی حالت کو تاڑکر — علیحدہ) — شکنتلا، اگر باباجی آج ہی لوٹ آئیں۔

شکنتلا۔ تو کیا ہوگا؟

دونوں۔ ہوگا کیا؟ ایسے انوکھے مہمان کو وہ اپنی پیاری سے پیاری متاع بھی بخوشی نذر کردیں گے۔

شکنتلا۔ چلو ہٹو بھی! تمھارے دل میں بدی ہو، اسی لیے چڑ چڑ کررہی ہو۔ میں تمھاری بات ہی نہیں سنتی۔

راجہ۔ اب مجھے بھی اپنی سکھی کے متعلق کچھ پوچھنے کی اجازت دیجیے۔

سکھیاں۔ یہ تو عین ذرّہ نوازی ہو۔

راجہ۔ مشہور تو یہ ہو کہ کنو رشی سدا کنوارے ہیں۔ پھر آپ کی سہیلی ان کی بیٹی کیوں کر ہوئی؟

انسویا۔ سنیے۔ ایک مہارشی کوشک گھرانے میں ہیں جن کا نام وشوامتر ہی۔

راجہ۔ میں نے بھی ان کا نام سُنا ہو۔

انسویا۔ ہماری پیاری سکھی دراصل ان کی بیٹی ہو۔ کنو اس معنی میں اس کے

باپ ہیں کہ اُنھیں یہ پڑی ہوئی ملی تھی۔ وہ اسے اُٹھا لائے اور پال پوس کر بڑا کیا۔

راجہ۔ پڑی ہوئی ملی تھی! یہ سن کر مجھے بڑا اچنبھا ہوا۔ کیا آپ شروع سے یہ قصّہ نہ سنائیں گی؟

انسویا۔ اچھا سُنیے۔ کسی زمانہ میں جب ان مہارِشی نے بڑا کڑا جوگ سادھا تھا تو دیوتاؤں کا آسن ڈگمگایا اور اُنھوں نے تپ توڑنے کے لیے مینکا نامی پریؔ[1] کو بھیجا۔

راجہ۔ دیوتاؤں کو دوسروں کی ریاضت کا کھٹکا ہمیشہ ہی لگا رہتا ہے۔

انسویا۔ بسنت رُت اور اس حور کی جنون نواز ادائیں! اسے دیکھ کر—
(اتنا کہہ کر شرم کے مارے چُپ ہو جاتی ہے)۔

راجہ۔ انجام کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ تو یہ کہیے کہ یہ پری زاد ہیں۔

انسویا۔ اور کیا۔

راجہ۔ یہ حسن انسان زادیوں میں ناپید بھی ہے۔ جوت سے جگمگاتی ہوئی بجلی دھرتی میں سے کیونکر نکل سکتی ہے۔

(شکنتلا شرم کے مارے کٹی جا رہی ہے)

راجہ۔ (خود)۔ شجر تمنّا میں پھل آنے لگے۔

پریموِدا (مسکراتی ہوئی، پہلے شکنتلا اور پھر راجہ کو دیکھ کر)۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ پھر کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔

(شکنتلا انگلی دکھا کر سہیلی کو تنبیہ کرتی ہے)۔

---

[1] اپسرا۔ حور سے ملتی جلتی ایک جنس۔

راجہ۔ آپ نے خوب بھانپا۔ پوری کہانی سننے کی سادھ ابھی باقی ہے،
اس لیے کچھ اور پوچھوں گا۔

پریمودا۔ تکلف نہ کیجیے۔ سادھوؤں سے جو جی چاہے پوچھیے۔

راجہ۔ میں آپ کی سکھی سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان کا بیراگ کب تک کے
لیے ہے۔ صرف شادی تک ہے۔ یا یہ مرگ نینی جو ہرنیوں کی پیاری
ہے، سدا انھیں کے بیچ رہے گی۔

پریمودا۔ صاحب، ابھی تو جپ تپ میں بھی یہ پرائے بس میں ہے۔ مگر یہ
ضرور ہے کہ اس کے بابا کسی جوگ بر سے اس کا بیاہ کرنا چاہتے ہیں

راجہ (خود)۔ پھر میری آرزو عبث نہیں۔ دل دیوانہ! اب تو آس رکھ
تیرے وسوسے غلط ثابت ہوتے۔ جسے تو آگ کی چنگاری سمجھتا تھا وہ
تو ایسا رتن نکلا جسے تو گلے میں ڈال سکتا ہے۔

شکنتلا۔ (بگڑ کر)۔ انسویا، میں جاتی ہوں۔

انسویا۔ کیوں؟

شکنتلا۔ میں اس چرب زبان پریمودا کی شکایت گوتمی مائی سے کروں گی۔

انسویا۔ اچھی، ایسے بھلے مانس مہمان کی بات پوچھے بنا اٹھ کر چلے جانا
نامناسب ہے۔

راجہ (اس کا دامن پکڑتے پکڑتے رہ جاتا ہے۔ خود) — اُف، اوہ، پریمیوں
کے من کا بھید ان کے من چلے پن سے کھلتا ہے۔ اس رشی کماری کو
میں روکنا ہی چاہتا تھا کہ ادب نے میرے ہاتھ تھام لیے۔ مگر عجب
بات ہے کہ میں نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی اور محسوس ہونے لگا
کہ میں گیا بھی اور لوٹ بھی آیا۔

پریمودا (شکنتلا کو پکڑ کر) سکھی پیاری، یُوں نہ جانے پاؤ گی۔
شکنتلا (چیں بجبیں ہوکر)۔ کیوں نہ جاؤں ؟
پریمودا۔ میں نے تمھارے بدلے دو پیڑوں کو پانی دیا تھا۔ پہلے اِس قرض کو چکاؤ، پھر جاؤ۔

(زبردستی روک لیتی ہی)۔

راجہ۔ یہ آپ کی زیادتی ہی۔ ان کا کومل گات تو اپنے ہی حصّے کے کام سے نڈھال ہوچکا ہی۔ دیکھیے نا، گگری اُٹھانے سے ان کے کاندھے ڈھل گئے ہیں اور ہتھیلی لال گلال ہوگئی ہی۔ کانوں میں سرس کے پھولوں کے جو جھُومر پڑے ہیں وہ پسینے کے تار سے چپک گئے ہیں۔ زور زور سے سانس لینے کی وجہ سے دل اب بھی دھڑک رہا ہی۔ جوڑا کھل گیا ہی اور ایک ہاتھ سے سنبھالنے کے باوجود بال کھل کر پریشان ہوگئے ہیں۔ لیجیے، میں ان کا قرض بے باق کرتا ہوں۔ (اپنی انگوٹھی دیتا ہی۔ نگینے پر کندہ نام کو پڑھ کر دونوں حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگتی ہیں)

راجہ۔ آپ نے کیا سمجھا۔ اجی، یہ راجہ کی دین ہی۔
پریمودا۔ پھر اسے انگلی سے الگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ قرض چُکانے کے لیے آپ کا اِتنا کہہ دینا کیا کم ہی۔
[شکنتلا سے ــ ہنس کر] ۔ ہمارے مہمان یا مہاراجہ، جو کہہ لو، ان کی مہربانی سے تم آزاد کی جاتی ہو۔ اب تم جا سکتی ہو۔
شکنتلا (خود)۔ کاش میں اپنے آپ پر قابو رکھ سکوں۔
(بآواز) تم کسی کو روکنے یا چھوڑنے والی ہوتی کون ہو۔

راجہ (ایک نظر شکنتلا کو دیکھ کر۔ خود)۔
کیا یہ بھی میری طرف اسی طرح مائل ہو جس طرح میں اس کی طرف؟
کیا میری دعا نے اثر کیا؟ گو وہ مجھ سے مخاطب نہیں ہوتی لیکن
جب کچھ کہتا ہوں تو توجہ سے سنتی ہو۔ وہ میری طرف نہیں دیکھتی تو کیا
ہوا۔ وہ آنکھ بھر کر اور کسی کو بھی تو نہیں دیکھ سکتی۔

(دور سے آواز آتی ہو)۔

ارے او جوگیو! تپ بن کے جانوروں کی حفاظت کا دھیان رکھنا۔
راجہ دشینت شکار کھیلتے کھیلتے کہیں قریب ہی آ گئے ہیں۔ دیکھو۔
گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑاتے ہوئے خاک کے ذرّے جانہار سورج
کا رنگ لے کر جب آشرم کے پیڑوں پر بیٹھنے لگتے ہیں تو ایسا لگتا ہو
کہ ٹڈی دَل نے دھاوا بول دیا ہو۔
اور اس ہاتھی کو دیکھو جو رتھوں کی آواز سے گھبرا کر بوکھلایا ہوا یوں
چلا آ رہا ہو گویا ہماری تپسیا کو درہم برہم کرنے کے لیے کوئی مجسم بلا
آ رہی ہو۔ ایک پیڑ کے تنے میں اُس نے اپنا دانت گھسیڑ دیا ہو اور
وہ کہیں سے بیلوں کو اپنے پاؤں میں پھنسا لایا ہو جو جال کی طرح
لپٹی ہوئی ہیں۔ یہ دیکھو ہرن اس کے ڈر سے بھاگے جا رہے ہیں۔

(سُن کر سب چونک پڑتے ہیں)۔

راجہ (خود)۔ لاحول ولا۔ لوگ میری تلاش میں اِس تپ بن کو سراسیمہ کیے
دے رہے ہیں۔ اب مجھے فوراً واپس جانا چاہیے۔
سکھیاں۔ اجی، اِس پاگل ہاتھی کی خبر سُن کر ہمارا کلیجہ دھڑکنے لگا۔ اب
ہمیں اپنی کٹی جانے کی اجازت دیجیے۔

راجہ (تیزی سے) ہاں آپ لوگ سدھاریں۔ میں بھی جاکر دیکھتا ہوں کہ تپ بن کے امن میں کسی قسم کا خلل نہ ہو۔

(سب اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)۔

سکھیاں۔ سرکار، ہم آپ کی کوئی خاطر نہ کرسکے۔ یہ کہتے لاج آتی ہو کہ پھر کبھی درشن دینا۔

راجہ۔ یہ نہ کہیے۔ اِس سے بڑھ کر اور کیا خوش نصیبی ہوسکتی تھی کہ آپ کو دیکھ لیا۔

شکُنتلا (چلتے چلتے)۔ انسویا، میرے پیر میں ایک کانٹا چُبھ گیا ہو اور میرا دامن ایک جھاڑی میں اُلجھ گیا ہو۔ زرا ٹھہر جاؤ تو چھڑا لوں۔

(اِس بہانے سے راجہ کو دیکھتی ہوئی آہستہ آہستہ اپنی سکھیوں کے ساتھ جانے لگتی ہو)

راجہ (سب کے جانے کے بعد)۔ مجھے شہر جانے کی کوئی جلدی نہیں ہو۔ اپنے ساتھیوں کو ڈھونڈوں اور یہ حکم دے دوں کہ اِس آشرم کے پاس ہی ڈیرا ڈالیں۔

شکنتلا کے خیال کو میں ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے دل سے دُور نہیں کرسکتا۔ میری یہ حالت ہو کہ جسم تو آگے بڑھ رہا ہو لیکن دل بے قرار پیچھے بھاگ رہا ہو۔ ویسے ہی جیسے بادِ مخالف میں کسی جھنڈے کا ریشمی[1] پھریرا اُڑ رہا ہو۔ (چلا جاتا ہو)۔

ڈراپ

---

[1] اصل میں "چین آنشک" یعنی چین کا بنا ہوا ریشم ہو۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان اور چین میں تجارتی تعلقات قائم ہوچکے تھے۔

دوسرا ایکٹ۔

مقام ــــ جنگل میں راجا کا ڈیرا۔

(خستہ حال مسخرا مادھو آتا ہو)۔

مادھو (ٹھنڈی سانس بھر کر)۔ ہائے ری قسمت! اِس شکاری راجہ کی دوستی نے تو کہیں کا نہ رکھا۔ یہ ہو ہرن، وہ ہو سوٗر، یہ بھاگا شیر۔ اِسی تگ و دو میں زندگی بنجارے کا چوٗلھا بن کر رہ گئی۔ بھری دوپہر کو بن بن کی خاک چھاننی پڑتی ہو۔ پہاڑی جھرنوں کا کسیلا اور گدلا پانی پینا پڑتا ہو۔ وقت بیوقت کچّا پکّا گوشت کھانا پڑتا ہو۔ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے بند بند ڈھیلے ہوجاتے ہیں تو راتوں کو کیا خاک نیند آئے۔ پھر تڑکے تڑکے یہ حرام زادے چڑی مار جنگل میں ایسا ہانکا کرتے ہیں کہ آنکھ کھٹ سے کھل جاتی ہو۔

مگر مصیبت نے یہیں پیچھا نہ چھوڑا۔ مرے کو ماریں شاہ مدار، کل جو ہم بچھڑ گئے تو قسمت نے غچّہ دیا۔ یعنی سرکار ہرن کا پیچھا کرتے ہوتے ایک آشرم میں جا گھسے اور وہاں کسی سادھو کی لڑکی کو دیکھ لیا۔ اب حضرت کسی طرح شہر لوٹنے کا نام نہیں لیتے۔ اس سوچ میں مجھے رات رات بھر نیند نہیں آتی۔ کیا کیا جائے۔

حضور نہا دھولیں تو میں سلام کو جاؤں۔

(ٹہلتے ہوئے، سامنے دیکھ کر)۔ لو، ہمارے مہربان ادھر ہی آرہے

ہیں۔ بھیلنیں ہاتھ میں تیر کمان لیے گلے میں جنگلی پھولوں کے ہار ڈالے ان کے ساتھ ساتھ چلی آرہی ہیں۔ میں یوں بے حرکت کھڑا ہوجاؤں گویا مفلوج ہوگیا ہوں۔ چلو اسی بہانے تھوڑا سا آرام مِل جائے۔

ڈنڈے پر سہارا دے کر کھڑا ہوجاتا ہے۔ اتنے میں راجہ حوالیوں کے ساتھ آتا ہے)۔

راجہ (خود)۔ یہ سچ ہے کہ میرا محبوب سہج میں نہیں مِل سکتا، لیکن اس کی اداؤں سے محبت دِل کو تسکین دیتی ہے۔ عشق اپنی منزل کو نہیں پہنچا تو کیا ہوا۔ دونوں طرف آگ لگی ہوئی ہو تب بھی مزہ ملتا ہے۔ (مسکراکر) جب کسی کی کسی سے لگی ہو اور وہ اپنے حال دل سے دُوسرے کے جذبات کا اندازہ لگانا چاہے، تو یُوں ہی دھوکا کھاتا ہے۔

نگاہ دوسری طرف ہونے کے باوجود ایک آدھ چتون کا ادھر بھٹک آنا، سرین کے بوجھل پن کی وجہ سے وہ آہستہ خرامی، سکھی کی اِس التجا پر کہ، نہ جاؤ، اسے جھڑک دینا، کیا یہ اٹھکھیلیاں مجھے دِکھانے کے لیے نہ تھیں؟..... توبہ، عاشق بھی کِتنا خود فریب ہوتا ہے!۔

مادھو (اسی حالت میں)۔ سرکار میرے ہاتھ پیر شن ہو گئے ہیں۔ اِس لیے ہاتھ اُٹھاکر آشیرباد[1] نہیں دے سکتا۔

راجہ۔ خیر تو ہے۔ تمھیں لقوہ کیسے ہوگیا۔

---

[1] آشیرباد۔ دُعا۔

مادھو۔ چہ خوش۔ آپ ہی نے آنکھوں میں کچھ کا ردیا اور پھر خود ہی پوچھتے
ہیں کہ آنسو کیوں آ گئے۔

راجہ۔ تم تو پہیلی بجھا رہے ہو۔

مادھو۔ یہ فرمائیے کہ بید خود ٹیڑھی ہوتی ہے یا پانی کا دھارا اُس میں
خم پیدا کرتا ہے۔

راجہ۔ ظاہر ہے کہ یہ پانی کے دھارے کا کام ہے۔

مادھو۔ بس، اسی طرح میرے مصائب کی علت آپ کی ذات والا
صفات ہے۔

راجہ۔ یہ کیوں کر؟

مادھو۔ راج پاٹ چھوڑ کر اس بنجر میں آپ نے جنگلیوں کا ایسا بانا لیا
ہے کہ میری تو ستّی گم ہو گئی۔ جانوروں کا ہانکا کرتے کرتے ہڈی
پسلی چور چور ہو گئی۔ خدارا، ایک آدھ روز کمر تو سیدھی کر لینے
دیجیے۔

راجہ (خود) اس کا یہ حال ہے۔ ادھر میرا من شکنتلا کی یاد میں اتنا
مگن ہے کہ شکار اسے بالکل نہیں بھاتا۔
اُن ہرنوں پر میں بان کیسے چھوڑوں جن کی سنگت میں رہ کر
میری جان جاں کی چتون اتنی بھولی بن گئی ہے۔

مادھو (راجہ کی طرف دیکھ کر) سرکار جی ہی جی میں کچھ بچار رہے ہیں
اور اونٹھوں میں کچھ بڑ بڑا رہے ہیں۔ میری بات ایسی
ہی ہے جیسے صدا بصحرا۔

راجہ۔ (ہنس کر)۔ کیسے ممکن ہے؟ دوست کی بات کہیں ٹالی جاتی ہے۔

چلو، آج چھٹّی منائیں۔

مادھو۔ جُگ جُگ جیو۔ (جانا چاہتا ہے)

راجہ۔ ٹھہرو صاحب، ابھی کچھ کہنا ہے۔

مادھو۔ اِرشاد؟

راجہ۔ جب تم تازہ دم ہو جاؤ تو ایک چھوٹے سے کام میں میری مدد کرنی ہوگی۔

مادھو۔ چھوٹا سا کام! کیا لڈّو پیڑے کھانا ہے؟ اس کے لیے تو میں اب بھی بسرو چشم حاضر ہوں ۱؎

راجہ۔ اس کی تفصیل تو پھر بیان کروں گا۔

کوئی ہے؟

چوبدار۔ کرامات جہاں پناہ۔

راجہ۔ سپہ سالار کو بھیجو۔

(چوب دار باہر جاتا ہے اور سپہ سالار کو لیے لوٹ کر آتا ہے)

چوبدار۔ حضور کی نظریں آپ کے اِنتظار میں اسی طرف لگی ہوئی ہیں۔

سپہ سالار۔ (راجہ کو دیکھ کر)۔ شِکار ہے تو بُری بلا لیکن حضور کو اس سے صریحًا فائدہ ہوا ہے۔

کمان کی ڈوری کھینچتے کھینچتے جِسم کا اوپری حصّہ فولاد کی طرح سخت ہو گیا ہے۔ نہ دھوپ لگتی ہے اور نہ تھوڑی سی تھکاوٹ سے پسینہ ہی آتا ہے۔ دوڑ دھوپ سے کچھ دُبلے تو ہو گئے لیکن اس ڈیل ڈول پر کیا پتہ چلتا ہے۔

۱؎ مسخرے عموماً برہمن ہوتے تھے اور برہمنوں کا پیٹو پن اس زمانہ میں ضرب المثل تھا۔

(قریب آکر)۔ مہاراج کی جے ہو۔ اب تو ہانکا شروع ہوچکا، آپ کو چلنا چاہیے۔

راجہ۔ کیا کہوں۔ مادھو نے شکار کی اتنی برائی کی کہ میرا جی اُچٹ گیا۔

سپہ سالار (مادھو کے کان میں)۔ یار، تو اپنی بات پر اڑے رہیو اور میں مالک کی سی کہوں گا۔

(بآواز) سرکار، اس بھانڈ کو بکنے دیجیے۔ اس فن کو آپ سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔ جسم ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے، چربی چھنٹ جاتی ہے اور جانوروں کو اس خوف و ہراس کی حالت میں دیکھنے کا موقع کب ملتا ہے۔ پھر بھاگتی ہوئی چیزوں پر نشانہ لگانا تو تیر اندازی کا کمال ہے۔ جو شکار کو بیکار مشغلہ بتلاتے ہیں وہ جھک مارتے ہیں۔

مادھو (جھنجھلاکر)۔ اجی رکھیے اپنا بڑ بول۔ سرکار اب آپ کی باتوں میں نہیں آنے۔ اور آپ بھی اپنی خیر منائیے گا۔ کسی کھوسٹ بھالو نے آپ کی جینی کی ناک پکڑ لی تو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔

راجہ۔ اچھے سردار! آشرم کے پڑوس کا واسطہ ہے، اس لیے میں تمھارے مشورے پہ عمل نہیں کر سکتا۔

اس لیے، آج تو بھینسوں کو تالاب کے پانی میں ڈبکی لگانے دو اور اسے سینگوں سے اُچھالنے دو۔ ہرنوں کو گھنی چھاؤں میں سبھا رچانے دو اور اُتھلی جھیلوں میں جنگلی سؤروں کو بے کھٹکے گڑھے کھودنے دو۔ ہماری کمان کو بھی آرام لینے دو، اس کی ڈور کو بھی ڈھیل لینے دو۔

سپہ سالار۔ بجا ارشاد حضور۔

راجہ۔ جو نابکا کرنے والے آگے جا چکے ہیں انھیں واپس بلالو۔ سپاہیوں کو سمجھا دو کہ تپ بن کی شانتی کا خیال رکھیں۔ سُن رکھو کہ جوگی امن پسند تو ہوتے ہیں لیکن ان میں ایسی طاقتیں چھپی ہوتی ہیں جو آگ کی طرح جلاکر خاک کر دیں۔ جیسے سورج من، چھونے میں برف لیکن رگڑو لگے تو انگارہ۔

سپہ سالار۔ بہت خوب۔

مادھو۔ بھاڑ میں جائے شکار۔

(سپہ سالار جاتا ہی)۔

راجہ۔ (بھیلنوں سے مخاطب ہوکر) جاؤ شکار کا لباس اتار ڈالو۔ چوب دار، تمھیں اپنی جگہ پر رہنا ہی۔

بھیلنیں۔ جو حکم سرکار (چلی جاتی ہیں)

مادھو۔ اب تو یہاں کوئی مکھی بھی نہ رہی۔ آئیے اس چٹان پر بیٹھیں جس پر چھاؤں نے شامیانہ سا تان دیا ہی۔ میں بھی کمر سیدھی کرلوں گا۔

راجہ۔ آگے تم ہی چلو۔

مادھو۔ اچھا۔ (دونوں اُس جگہ جاکر بیٹھ جاتے ہیں)

راجہ۔ مادھو، تمھاری نگاہ کا کچھ حاصل نہیں۔ کیونکہ جو دیکھنے کی چیز ہی اس کا تم نے نظارہ نہیں کیا۔

مادھو۔ واہ، آپ کی چھب دِن رات میری آنکھوں کے آگے رہتی ہی۔

راجہ۔ ارے، اپنوں کو تو سب اچھا جانتے ہیں۔ میں تو شکنتلا کا ذکر کر رہا ہوں جو اِس آشرم کا ہیرا ہی۔

مادھو (خود)۔ آئے رنگ پر۔ لیکن میں ڈھیل ہی نہ دوں۔
(آواز)۔۔۔معلوم یہ ہُوا کہ آپ ایک سادھو کی لڑکی پر لوٹ ہیں۔
راجہ۔ بھائی! پُرو کی اولاد کا دل کسی ایسی ویسی پر نہیں آتا۔ جیسے چنبیلی
کا غنچہ مدار کی ڈال پر گرے، بس ویسے ہی یہ رِشی کُماری جو دراصل
پری زاد ہے، کنور رِشی کو پڑی ہوئی مل گئی۔
مادھو (ہنس کر)۔ اوہو! ۔ رانیوں کو چھوڑ کر دل پھنسا بھی تو کہاں۔
اماں، کھجور سے اُکتا کر املی پر تو نہ آئے ہوتے۔
راجہ۔ اگر تم اُسے ایک بار دیکھ لو تو ایسی بکواس نہ کرو۔
مادھو۔ جو آپ کو لُبھالے، اس کے چیت چور ہونے میں کس کافر کو
شک ہو سکتا ہے۔
راجہ۔ زیادہ کیا کہوں۔
خالق کی قدرت اور شکنتلا کے حسن کو دیکھتے ہوتے یہی کہنا پڑتا
ہے کہ پہلے اس کی تصویر بناتے بغیر خدا کی بھی جرأت نہ ہوتی ہوگی
کہ اس کے پیکر میں رُوح پھونکے اور تصویر میں دنیا کی تمام
خوبصورت چیزوں کی جھلک ڈال کر پھر کہیں یہ دُوسری مجسمہ[۱] بنائی
گئی ہوگی۔
مادھو۔ سیدھے سادے الفاظ میں یوں کہیے کہ سارے جہان کے حسین
اس کے آگے اب پانی بھرا کریں گے۔
راجہ۔ یہی سمجھ لو۔
اس کا معصوم جمال ایک ایسا پھول ہے جسے اب تک کسی نے

۱؎ پُرانک تلمیحات ۔ ۳

نہیں سونگھا، ایسی نئی کونپل ہی جو ابھی ڈنٹھل سے نہیں توڑی گئی، ایسا موتی ہی جو ابھی ہار میں نہیں پرویا گیا، ایسا شہد ہی جو ابھی نہیں چکھا گیا، عصمت کا چاند جس میں کوئی داغ نہیں پڑا۔

معلوم نہیں، بھگوان نے یہ نعمت کس کے نام لکھی ہی۔

مادھو۔ للّٰہ، اس غریب کو نجات دلائیے۔ اگر کسی گنجے یا کن پھٹے سادھو کے ہتّے چڑھ گئی تو کیا ہوگا۔

راجہ۔ یار! وہ پرائے بس ہی اور اس کا باپ پردیس میں ہی۔

مادھو۔ یہ تو بتلائیے کہ اس کی چتونوں نے آپ سے کیا کہا۔

راجہ۔ رشی کماری فطرتاً شرمیلی ہوتی ہیں۔

اس نے بانداز دگر دیکھا تھا کہ مجھے سامنے پاکر اس کی نگاہ لوٹ گئی۔ اس نے مسکرایا بھی تھا لیکن اس طریقہ سے گویا تبسّم کی وجہ اور ہی کچھ تھی۔ حیا اس حد تک پردہ داری کر گئی کہ اس کی محبت کھلتے کھلتے چھپ گئی۔

مادھو۔ آپ اور چاہتے کیا تھے؟ وہ آپ کی گود میں اچک کر بیٹھنے سے رہی۔

راجہ۔ لیکن جدائی کے وقت لاکھ ضبط کرنے پر بھی اس کے جذبات ظاہر ہو ہی گئے۔ یہ اس طرح کہ گو وہاں کانٹوں کا نام نہ تھا لیکن تھوڑی دور جاکر وہ ٹھٹک گئی اور کہنے لگی، ہائے میرے پانو میں ایک کانٹا چبھ گیا، حالانکہ اس کا دامن کسی جھاڑی میں نہیں اٹکا، پھر بھی اسے سلجھانے کے بہانے وہ منہ پھیر کر رک گئی۔

مادھو۔ پھر کیا کہنے ہیں! آؤ یہیں جھونپڑی ڈال لیں اور جنگل میں منگل منائیں۔

راجہ۔ بھائی کئی سادھوؤں نے مجھے پہچان بھی لیا ہے۔ اب میں اس دُبدھا میں ہوں کہ دوبارہ آشرم میں جاؤں تو کس ترکیب سے جاؤں۔

مادھو۔ راجاؤں کے لیے ترکیب کی کیا کمی۔ وہاں پہنچ کر للکار دیے کہ لاؤ فصل کا چھٹا حصّہ لہ

راجہ۔ ابے شیخ چلّی! سادھوؤں کا خراج سونے روپے کے انبار سے زیادہ بیش قیمت ہوتا ہے۔ مال خزانے مٹّی میں مل جائیں گے۔ لیکن ان کی عبادت کا چھٹا حصّہ جو ہمارے حصّے میں آتا ہے، غیر فانی اور جاودانی ہے۔

(پس پردہ)۔ اے لو، ہم اپنی منزل کو پہنچ گئے۔

راجہ (کان لگاکر)۔ ایسی سنجیدہ آواز سادھوؤں کی ہوتی ہے۔

چوبدار (اندر آکر)۔ حضور، دو چیلے دروازے پر کھڑے ہیں۔

راجہ۔ انھیں لے آؤ۔

(چوب دار باہر جاکر انہیں ساتھ لاتا ہے)۔

چوبدار۔ نگاہ رُو برُو۔

ایک (راجہ کو دیکھ کر۔ علیحدہ)۔ اس کی ذات اپنی تجلّی کے باوجود کتنی من موہن ہے۔ مگر سچ پوچھو تو یہ روپ اس کے مرتبے کے مطابق ہے کیونکہ یہ بھی تو رشیوں کی منڈلی میں شامل ہے۔ اس چھتری کو رشی نہ کہو گے تو کیا کہو گے جو ایک ایسے آشرم میں بلاتکلّف ٹھیر گیا ہو جس کے دروازے ہر کس و ناکس کے لیے کھلے رہتے ہیں۔ رعایا پروری بھی عبادت گزاری کی ایک قسم ہی ہے۔ دو بھاٹ

لہ پُرانک تلمیحات - ۴

اس کے ضبط نفس اور جہانگیری کا قصیدہ صبح و شام پڑھا کرتے ہیں۔
جس کی گونج آکاش تک پہنچتی ہے۔ اسی لیے اسے 'رشی' کا لقب حاصل
ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس سے پہلے راج کی صفت لگی ہوئی ہے۔

دوسرا گوتم۔ کیا یہی وہ نام دار دُشینت ہے جو اندر کا یار غار ہے۔

پہلا۔ اور نہیں تو کیا ؟

دوسرا۔ تبھی تو یہ جس کے بازو شہر پناہ کے سطونوں کی طرح مضبوط ہیں،
تن تنہا اس وسیع دنیا پر راج کرتا ہے جس کی حد بندی نیل گوں
ردائے آب کر رہی ہے۔ تبھی تو دیوتا اپنے بیریوں کو میدانِ جنگ
میں اس وقت شکست دے سکتے ہیں جب ان کی مدد کے لیے اِندر
کے کوندے کی لپک کے ساتھ دُشینت کی کمان کی کڑک بھی شامل ہو۔

دونوں (قریب پہنچ کر) مہاراج کی جے ہو۔

راجہ (اٹھ کر)۔ ڈنڈوت کرتا ہوں۔

دونوں (پھول نذر کرکے)۔ بھگوان آپ کا بھلا کریں۔

راجہ (نذر لے کر پھر سلام کرتا ہے)۔ میرے لائق کوئی خدمت ؟

ایک چیلا۔ آشرم والوں کو جب معلوم ہوا کہ آپ کا ڈیرا آجکل یہیں ہے۔

راجہ۔ تو انھوں نے کیا حکم دیا۔

چیلا۔ انھوں نے یہ بنتی کی ہے کہ ہمارے گرو کنو کو سفر میں پاکر،
راکشسوں کو موقع مل گیا کہ ہون میں حائل ہوں۔ اگر آپ اپنے
رتھ بان کے ساتھ اس آشرم کو چندے نوازیں تو یہ بلا ٹل جائے۔

راجہ۔ بسر و چشم۔

مادھو (اشارہ کرکے)۔ لو، سیّاں بھئے کوتوال !

راجہ (مسکرا کر)۔ چوب دار، رتھ بان سے کہو کہ تیر کمان اور رتھ
لے کر حاضر ہو۔

چوبدار۔ بہت خوب (باہر جاتا ہی)۔

دونوں چیلے (خوش ہو کر)۔ مہاراج! آپ کا بول بالا ہو۔ آپ اپنے بزرگوں کی
ریت پر چلتے ہیں۔ پُرو کا ہر نام لیوا کمزوروں کی حفاظت کا بیڑا اُٹھاتا ہی۔

راجہ (ہاتھ جوڑ کر) آپ چلیں۔ میں فوراً آپ کے پیچھے پیچھے آتا ہوں۔

دونوں۔ بھگوان آپ کو ہمیشہ کامرانی کا منہ دکھائیں۔

(چلے جاتے ہیں)۔

راجہ۔ مادھو، شکنتلا کو دیکھنا چاہتے ہو؟

مادھو۔ پہلے تو میں دیدار کے اشتیاق میں باؤلا ہو رہا تھا۔ لیکن راکشسوں
کی خبر نے سارا مزا کرکرا کر دیا۔

راجہ۔ ڈرو نہیں، تم تو میرے ساتھ رہو گے۔

مادھو۔ پھر یہ بھڑوے میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔

چوبدار (اندر آکر)۔ رتھ حضور کے حکم کا منتظر ہی۔ لیکن راج دہانی سے
ایک ہرکارا راج ماتا کا خط لیے ابھی آیا ہی۔

راجہ (اشتیاق سے)۔ کیا وہ امی جان کا سندیسہ لایا ہی؟

چوبدار۔ جی ہاں، مہاراج۔

راجہ۔ اسے فوراً بلا لاؤ۔

(چوب دار باہر جاتا ہی اور ہرکارے کو ساتھ لے آتا ہی)۔

ہرکارا۔ مہاراج کی جے ہو۔
راج ماتا نے یہ سندیسہ بھیجا ہی کہ آج سے چوتھے دن ایک تقریب

آرہی ہے جس میں آپ کی حاضری نہایت ضروری ہے۔

راجہ (سوچتے ہوئے)۔ ادھر سادھوؤں کا کام، اُدھر امّی جان کا فرمان، دونوں میں سے کسی کو ٹالا نہیں جاتا۔ اب کیا کیا جائے۔

مادھو۔ میری مانیے تو نہ یہ کیجیے نہ وہ کیجیے۔

راجہ۔ مذاق نہیں، میں در اصل دُبدھا میں پھنس گیا۔ دو دو جگہوں میں ایک وقت پر دو کام کرنے ہیں۔ اِس خیال نے میرے ارادے کو بھی دو حصّوں میں بانٹ دیا ہے، جیسے ندی کا دھارا کسی چٹان سے ٹکرا کر پھٹ جائے۔

(کچھ سوچ کر) مادھو، امّاں نے تمھیں اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہے یا نہیں؟ تمھیں چاہیے کہ میرے بدلے خود اُن کی خدمت میں جاؤ اور میری مصروفیت کا سبب بتلا کر سپوتوں کی طرح سب کام کاج کرو۔

مادھو۔ کہیں آپ یہ تو نہ سمجھ بیٹھے کہ میں راکشسوں سے ڈر گیا؟

راجہ (ہنس کر)۔ توبہ کرو! تمھیں میں ایسا بودا سمجھنے لگا؟

مادھو۔ مجھے اِس ٹھاٹ سے جانا چاہیے جو راجہ کے چھوٹے بھائی کے لائق ہو۔

راجہ۔ میں سارا لاؤ لشکر تمھارے ساتھ کر دوں گا، ورنہ آشرم کی شانتی میں خلل ہوگا۔

مادھو۔ واہ، پھر تو سب مجھے یووراج سمجھنے لگیں گے۔

راجہ (خود)۔ یہ کمبخت ہے بڑا باتونی۔ کہیں رنواس میں میری نئی محبّت کا بھانڈا نہ پھوڑ دے، ابھی سے پیش بندی کر دوں۔

(مادھو کا ہاتھ تھام کر)۔ یار، میں تو محض سادھوؤں کے خیال سے آشرم میں ٹھیر رہا ہوں۔ ورنہ مجھے سادھو کی بیٹی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ سوچو تو سہی کہاں ہم اور کہاں یہ لڑکی جو ہرنیوں اور پنچھیوں میں پلی بڑھی ہے۔ یہ بیچاری عشق کے رمزوں کو کیا سمجھے۔ میں اس لیے کہتا ہوں کہ کہیں دل لگی کو سچ نہ سمجھ بیٹھنا۔

مادھو۔ جی نہیں، آپ کہتے ہیں تو ٹھیک ہی ہے۔

(سب جاتے ہیں)۔

ڈراپ

تیسرا ایکٹ

مقام۔ تپ بن

تمہیدی منظر

[قربان گاہ میں بچھائی جانے والی گھاس[1] کا پولا لیے ہوئے ایک چیلا آتا ہے]۔

چیلا۔ راجہ دشینت کی عظمت کا بھی کچھ ٹھکانا ہے! ان کے آشرم میں قدم رکھتے ہی ہمارے دھرم کاج نچنت ہو گئے۔ اور ان کی تیراندازی کے کیا کہنے! انکی کمان کی ایک کشش تمام بلاؤں کو دور کرنے کے لیے کافی ہے۔

اب میں یہ گھاس پجاری کو دے آؤں تو وہ اُسے قربان گاہ میں بچھا دیگا دیکھ دیکھ کر، کسی غائب شخص کو مخاطب کرکے)

پریمودا، یہ صندل کا لیپ اور کنول کی پتیاں کس کے لیے لے جا رہی ہو؟ (کان پر ہاتھ لگاکر) کیا کہا؟ لو لگنے سے شکنتلا کے دشمنوں کا مزاج خراب ہوگیا اور یہ اس کے بدن پر رکھنے کے لیے ہیں۔

پریمودا اُس کی تیمار داری ہوشیاری سے کرنا۔ وہ ہمارے گرو جی کی زندگی کا سہارا ہے۔ میں بھی پانی دم کرکے بھجواتا ہوں۔

(چلا جاتا ہے)۔

تمہید ختم

---

[1] اس گھاس کا نام "کش" ہوتا تھا اور یہ مقدس سمجھی جاتی تھی۔

(راجہ ایسی حالت میں آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عشق زدہ ہے)

راجہ۔ (خود) میں جپ تپ کے بل کو خوب جانتا ہوں - یہ بھی سمجھتا ہوں کہ وہ پرائے بس ہے۔ لیکن کیا کروں کہ دل اس کے خیال سے باز نہیں آتا۔

کام دیو، تمہارے پھولوں کے تیر اور چاند کی کرنیں دیکھنے میں تسلّی بخش ہیں لیکن ان کے چھل کو کوئی مجھ جیسے پریمیوں سے پوچھے۔ مجھے چاند کی خنک کرنیں اور تمہارے پھولوں کے تیز دونوں ہی تھوتھے معلوم ہوتے ہیں۔ گویا چاند آگ برساتا ہے اور تمہارے پھول سنگ باری کرتے ہیں۔

لیکن یہ درد محبّت اگر اس جادو نظر کا دیا ہوا ہے تو عین لذّتِ حیات ہے۔

(ٹہلتے ہوئے، ٹھنڈی سانس بھرکر)۔ جب رسمیں ختم ہو جائیں گی اور پجاریوں کو میری ضرورت نہ رہے گی تو میں دُکھیا کہاں جاؤں گا۔

اس کے دیدار کے علاوہ اس بےقراری کا کوئی علاج نہیں۔ چلوں، اس کی تلاش کروں۔

(سورج کی طرف دیکھ کر)۔ اس کڑی دھوپ میں شکنتلا اپنی سکھیوں کے ساتھ اکثر ندی کنارے ہوتی ہے، اس جگہ جہاں بیلوں نے گھنے کنج بنا دیے ہیں۔ وہیں چلنا چاہیے۔

(اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے)۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ سیم تن ابھی ان ننھے پودوں کے جھنڈ سے ہوکر گزری ہے۔ جن ڈنٹھلوں سے

پھول توڑے گئے ہیں ان کے گھاؤ ابھی ہرے ہیں اور جہاں سے پتّیاں توڑی گئی ہیں ان کی کوروں پر اب بھی دودھ کی بوندیں چھلک رہی ہیں۔

(ہوا کے جھونکے کھا کر)۔

یہ جھاڑی مستانہ ہواؤں میں بسی ہوئی ہے۔ آتشِ محبّت سے جھلسے ہوئے جسم کو یہ جھونکے تھپکیاں دیتے ہیں جو کنول کی مہک میں بسے ہوئے ہیں اور ندی کی لہروں میں نہاکر ادھر آرہے ہیں۔

(ٹہلتے ہوئے)۔ بیدوں سے گھرے ہوئے بیلوں کے اُسی کنج میں شکنتلا ہوگی۔ کیونکہ اس کے دہانہ پر پھیلی ہوئی ملگجی ریت پر وہ نقش قدم اُبھرے ہوئے ہیں جو پنجوں کی طرف چھچھلے ہیں لیکن سرینوں کے بوجھل پن کی وجہ سے ایڑی کی طرف گہرے ہیں۔

ڈالیوں کی جالی سے جھانک کر دیکھوں تو سہی۔

(اُدھر جاکر جھانکتے ہوئے)۔ وہاں ہے میری آنکھوں کی راحت، میری آرام جان ایک چٹان پر پھولوں کی سیج بچھائے لیٹی ہوئی ہے۔ اور سکھیاں سیوا کر رہی ہیں۔ (ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگتا ہے)

(شکنتلا اپنی سکھیوں کے ساتھ اسی حال میں نظر آتی ہے)

سکھیاں (پنکھا جھلتے ہوئے، لجاجت سے)۔ پیاری شکنتلا، کنول کی پنکھڑیوں کی ہوا سے تمھیں کچھ آرام تو ہے؟

شکنتلا۔ بہنو، کیا تم میرے لیے پنکھا جھل رہی ہو؟

(سکھیاں حیرت زدہ ہوکر مایوسی سے ایک دوسری کو دیکھنے لگتی ہیں)

راجہ (خود)۔ شکنتلا کی طبیعت ناساز معلوم ہوتی ہے۔ یہ گرمی کے سبب

سے ہو یا اس کی وجہ وہ ہو جو میرا دل کہہ رہا ہے۔
(حسرت سے دیکھ کر)۔چھوڑو اس وسوسے کو۔
جان من کا کھلایا ہوا بدن، جو ہنوں پر صندل کے لیپ کے ساتھ
یں کنول کے ڈنٹھل کی ڈھیلی ڈھالی پہنچی کے ساتھ کتنا دل فریب
معلوم ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ کنواری پر گرمی اور محبت کا اثر ایک سا
ہوتا ہے لیکن سورج کی تپش یہ حسین کیفیت پیدا نہیں کر سکتی۔

پریمودا (علیحدہ)۔ انسویا، اس راجہ کو پہلی نظر دیکھتے ہی شکنتلا یوں نڈھال
ہو گئی۔کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ روگ اسی کا دیا ہوا ہو؟

انسویا۔ بہن مجھے بھی تو اسی کا کھٹکا ہے۔ پوچھوں تو سہی۔
(شکنتلا کو مخاطب کر کے)۔ اچھی، ایک بات پوچھوں، بُرا تو نہ مانوگی
تمھارا دکھ نگوڑی آنکھوں سے دیکھا نہیں جاتا۔

شکنتلا (کہنی کے بل اُٹھ کر)۔ پیاری، کیا پوچھنا چاہتی ہو؟

انسویا۔ سکھی، عشق وشق کے معاملہ میں تو ہم نپٹ انیلی ہیں لیکن کتابوں
میں عشق کے ماروں کا جو حال پڑھا ہے، وہی حال تمھارا دیکھتی
ہوں۔ تمھیں بتانا ہی ہوگا کہ اس روگ کا کارن کیا ہے۔ جب
تک موئے روگ کا مرم نہ معلوم ہو، علاج کیا خاک کیا جائے۔

راجہ (خود)۔ اوہو، انسویا کو بھی وہی شبہ ہے جو مجھے۔ پھر تو یہ طے
ہو چکا کہ میرا خیال مجھے فریب نہیں دے رہا ہے۔

شکنتلا (خود)۔ اس بھید کو کیسے چھپاؤں۔ کھل کر تو ان سے بھی نہیں کہا جاتا۔

پریمودا۔ شکنتلا، اس کا کہنا ٹھیک ہے۔ تم اپنے دکھ کا علاج کیوں نہیں
کرتیں۔ روز بروز پھیکی پڑتی جاتی ہو۔ بس ایک روپ کی

جوت ہی جو اب تک جوں کی توں ہی۔

راجہ (خود) پریمودا کا بیان بالکل صحیح ہو۔ اسکے گال پچک گئے ہیں، جوبنوں کا تناؤ ڈھیلا پڑگیا ہی، کمر نازک تر ہوگئی ہی، کاندھے ڈھل گئے ہیں اور رنگ پیلا پڑگیا ہو۔ محبّت نے کیا کیا! اس بیچاری کو دیکھ کر پیار آتا ہی اور ترس بھی۔ جیسے لؤ کا جھونکا چمیلی کی بیل کو جھلسا دے۔

شکنتلا۔ سکھیو، دردِ دل تمھیں نہیں تو اور کسے سُناؤں گی۔ لیکن میرے چلتوں تمھیں ناحق پریشانی ہی ہوگی۔

دونوں۔ اسی لیے تو ہمارا اصرار ہو۔ غم اگر اپنوں میں بنٹ جاتے تو دوبھر نہیں رہتا۔

راجہ (خود)۔ غم گساروں نے پوچھا ہو تو اب وہ اپنے دل کا راز سناتے نہ جھجکے گی۔

وہ گھڑی کتنی کٹھن تھی جب اس نے لوٹ کر بار بار مجھے پیاسی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ لیکن یہ لمحہ اس سے بھی زیادہ جان لیوا ہی کیونکہ اس کا جواب سنتے مجھے ہول سا ہو رہا ہو۔

شکنتلا۔ جب سے ہمارے آشرم کے رکھوالے راجہ نے ہمیں درشن دیے — (اتنا کہہ کر شرما کر چپ ہو جاتی ہو۔)

دونوں۔ پیاری، چُپ کیوں ہوگئیں، کچھ تو کہو۔

شکنتلا۔ اس دن سے مجھے بس اسی کا دھیان ہو اور اب یہ حال ہوگیا ہو۔

راجہ (فرطِ مسرّت میں۔ خود)۔ کانوں نے یہ جان نواز مژدہ سُن لیا۔

عِشق نے درد دیا اور پھر اس کا مداوا بھی دیا۔ جیسے ساون کا دِن پہلے گھمس سے بےکل کرتا ہو اور پھر کالی گھٹا لاکر چین بھی

پہنچاتا ہی۔

شکنتلا۔ اگر جی چاہے تو کچھ ایسا جتن کرو کہ اس راجہ کا التفات مجھ پر ہو جائے۔ یہ نہیں تو پھر میری زندگی کی آس چھوڑ دو۔

راجہ (خود)۔ اس نے ایسی دو ٹوک بات کہ دی کہ اگر مگر کی جگہ ہی نہیں رہی،

پریمودا (علیحدہ)۔ انسویا، یہ پریم میں ایسی باؤلی ہوئی جارہی ہی کہ انتظار کی تاب نہیں لاسکتی۔ یہ بھی دیکھو کہ اس کا دل جس پر آیا ہی وہ کوئی ایسا ویسا نہیں بلکہ پُرو بنس کا پانی دیا ہی۔ مجھے تو اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔

انسویا۔ مجھے بھی تم سے اتفاق ہی۔

پریمودا (بآواز)۔ سکھی، تمھارا انتخاب تمھاری شان کے شایان ہی۔ دریا سمندر کے سوا اور بھی کسی کے آغوش میں جاتا ہی؟ اگر یہ بیل اس آم کے پیڑ سے دل لگائے تو حیرت ہی کیا ہی؟

راجہ (خود)۔ اگر زہرہ اور مشتری چاند کی لیک پر گھومتے رہیں تو عجب کا مقام نہیں۔

انسویا۔ بھگوان کا کرنا ایسا ہو جائے کہ شکنتلا کے من کی مراد فوراً برآئے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو۔

پریمودا۔ جہاں تک جلدی کا سوال ہی، کوئی دقّت نہیں۔ لیکن پوشیدگی کا معاملہ ٹیڑھا ہی۔

انسویا۔ صاف کہو۔

پریمودا۔ وہ راجہ صاحب جو ہماری سہیلی کی طرف حسرت بھری نظروں سے تاکتے رہے تھے، خود بھی تو تارے گنتے گنتے سوکھ کر کانٹا ہوئے

جا رہے ہیں۔

راجہ (خود)۔حقیقت بھی یہی ہے۔

کندن کا یہ کنگن ڈھیلا ہوکر بانہوں سے پھسلتا ہے تو میں بار بار اسے اوپر چڑھاتا ہوں اور ان گھٹوں کو چھلنے سے بچاتا ہوں جو کمان کی ڈور کی وجہ سے میری کلائی پر پڑ گئے ہیں۔ اس کنگن کے رتنوں کی جوت ماند پڑگئی ہے۔ کیونکہ جب میں بانہوں پر ہاتھ رکھ کر لیٹتا ہوں تو رات بھر میرے آنسو ان پر ٹپکا کرتے ہیں اور یہ آنسو سوزِ دروں کی وجہ سے گرم ہو جاتے ہیں۔

پریمودا (سوچ کر)۔ اری، اسے ایک پریم پاتی کیوں نہ لکھیں۔ اسے پھولوں میں چھپاکر اس بہانے سے بھجوادوں گی کہ یہ ہار دیوتاؤں کے چڑھاوے کا ہے۔

انسویا۔ یہ سُجل ترکیب میرے من کو بھی بھائی۔

شکنتلا، تمھاری کیا رائے ہے؟

شکنتلا۔ بھلا میں تمھارے کہے سے باہر ہوں۔

پریمودا۔ تو پھر کسی چبھتے ہوئے گیت میں آپ بیتی کہہ ڈالو۔

شکنتلا۔ فکر کرتی ہوں۔لیکن مجھے اس کا دھڑکا ہے کہ کہیں وہ اسے لوٹا نہ دے۔

راجہ (خود)۔نادان! تجھے جس کی بے التفاتی کا ڈر ہے جانتی ہے کہ وہ تیرے وصل کے لیے کتنا بے تاب ہے۔ سائل کو دولت نہ ملے تو عجب نہیں، لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ دولت کو سائل نہ ملے۔

سکھیاں۔ خاکم بدہن! کوئی آپ اپنے گنوں پر یوں پانی پھیرتا ہے۔کوئی

ایسا بھی ہی جو تن سکھ چاندنی سے بچنے کے لیے اپنا دامن سکوڑتا ہی؟

شکنتلا۔ اچھا تو لو، میں تمھارا کہا کرتی ہوں۔

(بیٹھ کر سوچنے لگتی ہی)۔

راجہ (خود)۔ میرے یہ نصیب کہ اپنی جان جاں کو جی بھر کر دیکھوں!

اب جو وہ ایک بھوں کو خم دے کر گیت لکھنے میں مگن ہی، تو اس کے گالوں کے کھڑے ہوئے روئیں زبان حال سے اس کی محبت کا اظہار کر رہے ہیں۔

شکنتلا۔ سکھیو، پاتی کا مضمون تو میں نے سوچ لیا، لیکن یہاں لکھنے کا کوئی سامان نہیں ہی۔

پریمودا۔ یہ کنول کا پتا جو دیکھنے میں مُگنّے کی چھاتی کی طرح دلکش ہی، اسی پر اپنے ناخن سے لکھ دو۔

شکنتلا (اسی طرح لکھتے ہوئے) بہنو، غور سے سنو اور پھر بتاؤ کہ مطلب ادا ہوا یا نہیں۔

دونوں۔ ہم کان لگا کر سن رہی ہیں۔

شکنتلا (پڑھتی ہی) "تیرا حالِ دل میں کیا جانوں۔ لیکن او بے درد، میں تو اپنا دل تجھے دے بیٹھی اور اب کام دیو دن رات مجھے آتشِ فرقت میں تپایا کرتا ہی"

راجہ (جھٹ ان کے سامنے آکر)۔

او سرو ناز، تجھے تو کام دیو صرف تپاتا ہی لیکن مجھے وہ سچ مچ میں جلایا کرتا ہی۔ دن کا اُجالا جل سوسن کو اُس حد تک نہیں کُمھلاتا جس حد تک چاند کو[1]

---

[1] ہندو شاعری کا ایک مرغوب موضوع سورج اور کنول، اور جل سوسن (Water lily) اور چاند کی محبت ہی۔ کہتے ہیں کہ کنول آمد آفتاب کے ساتھ ساتھ کھلتا اور غروب آفتاب کے ساتھ منہ بند ہو جاتا ہی۔ اسی طرح جل سوسن چاند کے ساتھ کھلتا اور کمھلاتا ہی۔ اسی اعتبار سے انھیں عاشق اور معشوق باندھتے ہیں۔

سکھیاں (اسے دیکھتے ہی خوشی کے مارے اچھل کر)۔ مرحبا ہماری مراد کے بر آنے میں دیر نہ لگی۔

(شکنتلا اٹھنے کی کوشش کرتی ہے)۔

راجہ۔ رہنے بھی دیجیے، اس کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کا بیمار بدن کسی مزید تکلیف کا بار برداشت نہیں کر سکتا۔ دیکھیے، سیج کے پھولوں کی پنکھڑیاں اِس سے چپک گئی ہیں اور کنول کے ڈنٹھل کی پہنچی بھی مسل گئی ہے۔

انسویا۔ مہربان آئیے، اسی چٹان پر بیٹھ جائیے۔

(راجہ بیٹھ جاتا ہے۔ شکنتلا وفورِ حیا سے عرق عرق ہوئی جا رہی ہے)

پرمیودا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ آپ دونوں ایک دوسرے پر سو جان سے فدا ہیں تاہم، اپنی سکھی کی خاطر مجھے ایک بات کہنی پڑتی ہے۔

راجہ۔ بہن جی، اسے کہنے سے نہ چوکیے۔ دل جو کہنا چاہتا ہے، اگر وہ بے کہا رہ جائے تو ملال رہ جاتا ہے۔

پرمیودا۔ راجہ کا دھرم ہے کہ پرجا میں کسی کو دُکھ درد ہو تو اس کی مشکل کشائی کرے۔

راجہ۔ اس میں کیا شک ہے۔

پرمیودا۔ ہماری پیاری سکھی آپ کے پریم کی ماری ہوئی ہے آپکو چاہیے کہ اسے جان کی امان دیں۔

راجہ۔ مگر یہی التجا میں ان سے بھی کرتا ہوں۔ دونوں کا ثواب انھیں ملیگا۔

شکنتلا (پرمیودا کی طرف دیکھ کر) لالی، تم ان سے بے جا اصرار کیوں کرتی ہو۔ یہ بیچارے تو حرم والیوں کی فرقت میں گھلے جا رہے ہیں۔

راجہ۔ گھبراؤ نہیں، چھوڑ دوں گا۔
شکنتلا۔ آخر کب؟
راجہ۔ جیسے بھونرا گلِ تازہ کا مدھو گھونٹ گھونٹ کرکے پیتا ہی، اسی طرح میں تیرے اچھوتے اونٹھوں کا رس ہولے ہولے پی لوں تو تجھے چھوڑ دوں گا۔
(اس کا منہ اوپر اٹھاتا ہی۔ شکنتلا روکتی ہی)۔
(پسِ پردہ)۔ اری او چکوی، اپنے پیتم سے رخصت ہولے کہ رات آچلی۔[1]
شکنتلا (گھبراکر)۔ پیارے، غضب ہؤا! گوتمی مائی میری مزاج پُرسی کے لیے یہیں آ رہی ہیں۔ تم ان جھاڑیوں میں چھپ جاؤ۔
راجہ۔ بہت اچھا (چھُپ جاتا ہی)۔
(ہاتھ میں کمنڈل لیے گوتمی شکنتلا کی سکھیوں کے ساتھ آتی ہی)۔
سکھیاں۔ ماں جی ادھر۔
گوتمی (شکنتلا کے پاس آکر)۔ میری دُلاری، جی اب کچھ ہلکا پڑا؟
شکنتلا۔ مائی، آپ کی دیا سے اب کچھ اچھی ہوں۔
گوتمی۔ کُش گھاس کا یہ پانی ہی۔ اس سے تجھے آرام ہوجائے گا۔
(سر پر پانی چھڑک کر)۔ بچّی، اب جھٹ پٹے کا سمے ہی۔ کٹیا کو چلی چلو۔
(سب جانے لگتی ہیں)۔
شکنتلا (خود)۔ دلِ ناداں، جب دیوتا گھر بیٹھے آیا تھا تو تو حیص بیص

---

[1] شکنتلا کو سکھیوں کا اشارہ کہ کوئی آرہا ہی۔ یوں ہندو شاعری کا ایک خاص مضمون رات کے وقت چکوا اور چکوری کی جدائی ہی۔

میں رہ گیا۔ اب اُداس ہونے اور پچھتانے کا مجھے کیا حق ہے۔
(بآواز)۔ اے پیارے کنج ، او آرام جان ! خدا حافظ۔ پھر کبھی تیری سنگت کا سُکھ لینا ہے۔

(حسرت کے ساتھ دو مردوں کے پیچھے چلی جاتی ہے)۔

راجہ (اپنی پہلی جگہ پر آکر، آہ بھر کر)۔
ارمانوں کی تکمیل بھی کتنی شکیب طلب ہے۔ بڑی بڑی پلکوں والی وہ موہنی !

جب اپنے اونٹھوں کو اس نے انگلیوں میں چھپا لیا اور ان اونٹھوں سے حرفِ انکار کچھ نکلے اور کچھ مسوس کر رہ گئے تو اس کا مکھڑا کتنا دل فریب ہو گیا تھا۔ اپنا مکھڑا وہ بار بار اِدھر اُدھر موڑ لیتی تھی اور جب لے دے کر میں نے اسے اوپر اٹھایا بھی تو چومنے کا ہیاؤ نہ ہُوا۔

اب میں کہاں جاؤں .... چلو اسی کنج میں گھڑی بھر بیٹھوں جسے میرے محبوب نے اتنی دیر نوازا تھا۔

(چاروں طرف دیکھ کر)۔ یہ ہے چٹان پر پھولوں کی وہ سیج جسے اُس نازک اندام نے مسلا تھا۔ یہ ہے کنول کی پنکھڑی کی مرجھائی ہوئی پاتی جسے اس کے ناخنوں نے لکھا تھا۔ یہ ہے کنول کے ڈنٹھلوں کی پہنچی جو اس کی کلائی سے گر پڑی تھی۔

حالانکہ اب یہاں سناٹا ہی سناٹا ہے، لیکن آنکھیں اس سے اتنی مانوس ہو گئیں کہ ہٹنے کو جی نہیں چاہتا۔

(دوُر سے ایک آواز)۔ مہاراج، شام کی پوجا ابھی شروع ہی ہوئی تھی کہ راکشس بھوت بن کر اور لال لال بادلوں کا سا روپ بھر کر قربان گاہ کی آگ کے آس پاس منڈلانے لگے اور طرح طرح سے ہمیں دق کرنے لگے۔

راجہ۔ جوگیو، گھبراؤ نہیں، میں آپہنچا۔

(جاتا ہی)۔

ڈراپ

چوتھا ایکٹ

مقام ـ کنو کا آشرم

تمہیدی منظر

(سکھیاں پھول توڑتی ہوئی آتی ہیں)۔

انسویا ـ پرمودا، شکنتلا کو من مانگا دولھا مل گیا اور دونوں میں گاندھرو ریت سے بیاہ بھی ہوگیا۔ اس خیال سے دل باغ باغ ہے۔ لیکن جانے کیوں، ایک بات کھٹکتی ہے۔

پرمودا ـ وہ کیا ؟

انسویا ـ وہ یہ کہ آج قربانی ختم ہوگئی اور پجاریوں نے راجہ کو جانے کی اجازت بھی دے دی۔ جب وہ اپنی نگری کو پہنچے گا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ رنواس کی رنگ رلیوں میں یہاں کی بیٹی کو بھول جائے۔

پرمودا ـ چھوڑو بھی ـ ایسی بھولی بھالی صورت والے جلّاد کبھی ہوتے ہیں۔ فکر تو اس کا ہے کہ جب کنو بابا یہ قصّہ سُنیں گے تو کیا کہیں گے۔

انسویا ـ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ وہ اسے پسند کریں گے۔

پرمودا ـ یہ کیا ضرور ہے۔

انسویا ـ سب کے من کی چاہ یہی ہوتی ہے کہ اپنی بیٹی کا بیاہ کسی بڑے گنی سے کریں۔ اگر بھاگ سے گھر بیٹھے ایسا بر مل گیا تو گویا بنا جتن

دل کی آرزو پوری ہوئی۔

پریموداـ (پھولوں کی ڈلیا کو دیکھ کر) پوجا کے لیے اتنے پھول کافی ہوں گے یا نہیں۔

انسویاـ شکنتلا کے بھاگ دیوتا پر بھی تو چڑھانا ہی۔

پریموداـ ٹھیک کہتی ہو۔

(پس پردہ)۔ کوئی ہی، میں تمھارے گھر مہمان آیا ہوں۔

انسویا (آواز سن کر) سکھی، یہ کسی مہمان کی پکار ہی۔

پریموداـ فکر نہ کرو، شکنتلا کٹیا میں ہی۔

(خود) لیکن آج اس کا دل کہیں اور ہی۔

انسویاـ بھئی، اتنے پھول بہت ہیں۔

(جانے لگتی ہی)۔

(پس پردہ)۔ او مہمانوں کی توہین کرنے والی! جس کے دھیان میں تو ایسی ڈوبی ہوئی ہی کہ اس کی بھی سدھ نہیں کہ مجھ جیسا تپشوی تیرے در پر کھڑا صدا دے رہا ہی۔ ایسا ہو کہ وہ تجھے یک سر بھول جائے اور یاد دلانے پر بھی نہ پہچان سکے۔ جس طرح کوئی متوالا اپنے وعدے کو بھول جاتا ہی۔

پریموداـ ہائے افسوس، یہ کیا غضب ہوا! شکنتلا نے بے خیالی میں کسی ایسے کی توہین کردی جو بڑا گیانی مانی تھا۔

(اُدھر دیکھ کر)۔ اور یہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ نامی گرامی رشی دُرواسا ہی جس کا تک چڑھا پن جگ ظاہر ہی۔ بددعا دے کر وہ غصّے کے مارے تھر تھراتا ہوا سرپٹ چلا جا رہا ہی۔ سوا آگ کا بھڑکا ہی

انسویا۔ بہن، پیر پڑکر اس جلے تن کو لوٹا لاؤ۔ اس بیچ میں میں اس کی پوجا کا سامان کرتی ہوں۔

پرمیودا۔ بہت اچھا۔ (جاتی ہی)۔

انسویا (چلتے چلتے پھسل کر)۔ اوئی، ہول کے مارے پاؤں ایسا پھسلا کہ میرے ہاتھ سے پھولوں کی ڈلیا گر پڑی۔[۱]

(گرے ہوئے پھولوں کو چننے لگتی ہی)۔

پرمیودا (لوٹ کر)۔ سکھی، وہ بگڑے دل کسی کی بنتی پر دھیان کیوں دینے لگا۔ تاہم اس کا پتھر دل کچھ تو پسیجا۔

انسویا (مسکراکر)۔ اُس سے اس کی آس بھی نہ تھی۔ ہوا کیا؟

پرمیودا۔ جب اس نے لوٹنے سے قطعی انکار کردیا تو میں نے گڑگڑاکر کہا کہ اے مہابلی، یہ تو دیکھو کہ وہ تمھاری ہی بچی ہو۔ وہ تپ کے بل کو کیا سمجھے اور پھر یہ اس کی پہلی بھول ہو۔ اپنی کرامات کے صدقے اسے معاف کردو۔

انسویا۔ ہاں تو؟

پرمیودا۔ اجی، وہ تو پلک مارتے غائب غلّہ ہوگیا۔ بس یہ کہتا گیا کہ میرا کہا پتھر کی لکیر ہی، مگر نشانی کی انگوٹھی کو دیکھنے کے بعد بددعا کا اثر جاتا رہے گا۔

انسویا۔ باپ رے باپ، دم میں دم تو آیا۔ کچھ آس تو بندھی۔ جب راجہ جارہا تھا تو اس نے اپنے نام کی انگوٹھی یادگار کے طور پہنا دی تھی۔ اس کے ہوتے شکنتلا کو بددعا کا ڈر نہیں۔

---

[۱] اس سے بدشگونی کا اظہار مقصود ہی۔

پرمیودا۔ آؤ سکھی، اس کی خاطر دیوتاؤں کی پوجا کریں۔
(جاتے جاتے) باہر دیکھ کر)۔ دیکھو انسویا، اپنے پیا کے دھیان میں
بائیں ہاتھ پر سر رکھے ہماری پیاری سہیلی کس انداز سے بیٹھی ہوئی
ہے۔ گڑیا سی لگتی ہے۔ اس بیچاری کو تو اپنا بھی ہوش نہیں، پھر
کسی آتے جاتے کی کیا خبر۔
انسویا۔ پرمیودا! اس واقعہ کی خبر کسی تیسرے کو نہ ہو۔ جانتی ہو، بہنا کا
دل کمال نازک ہے، اسلئے اس افتاد کا پتہ نہ چلے۔
پرمیودا۔ خوب کہی! اری، چمیلی پر بھی کوئی تپتا پانی چھڑکتا ہے۔

تمہید ختم۔

(نیند سے ابھی ابھی جاگا ہُوا ایک چیلا آتا ہی)

چیلا۔ گروجی ابھی سفر سے لوٹے ہیں انھوں نے مجھے وقت دیکھنے کو بھیجا ہی۔ ذرا باہر چل کر دیکھوں کہ رات کتنی باقی ہی۔ (باہر جاکر دیکھتا ہی)۔

لو، یہ لو سویرا ہو چلا۔ کیونکہ اِدھر تو چاند پچھّم کی پہاڑیوں کی اوٹ سے جھانک رہا ہی اور اُدھر پورب میں سورج اپنا گلابی پھریرا اُڑا رہا ہی۔

بیک وقت دو نیروں کے عروج و زوال کو دیکھ کر لوگ زندگی کے نشیب و فراز کا سبق حاصل کرتے ہیں

اب جو چاند ڈوب چلا تو وہی جل سوسن میری آنکھ کو ذرا نہیں بھاتی۔ کیونکہ اس کا حسن اب مشاہدہ میں نہیں بلکہ فقط تخیّل میں رہ گیا[۱]۔ سچ ہی کہ پیتم کے بجوگ کا صدمہ سجنی کے لیے زیادہ غم ناک ہوتا ہی۔

پتّیوں پر سوئی ہوئی شبنم کی بوندوں کو چاند نے گلابی رنگت دے دی ہی۔ جھونپڑوں کی پھوس کی چھتوں پر سوتے ہوئے مور بیدار ہو رہے ہیں ــ اور یہ ہرن جو قربان گاہ کے چبوترے پر کھُر سکوڑ کر سوئے ہوئے تھے، اٹھ کر یُوں جمای لے رہے ہیں جیسے ان کی کوب نکل آئی ہو۔ ماہ تاباں اپنے نور کو لٹا کر آسمان سے گر رہا ہی۔ ایک دن وہ تھے کہ اسی کے محل یعنی پہاڑوں کے سرتاج سُمیر کو اپنے قدموں کے نیچے رکھ کر وِشنو نے چاند کی دنیا کو اپنی مملکت میں شامل کیا تھا[۲]۔

---

[۱] دیکھیے صفحہ ۴۶ کا حاشیہ + [۲] پرانک تلمیحات ــ ۵

بڑوں کی سربلندی بھی پستی ہی پر ختم ہوتی ہے۔

(انسویا داخل ہوتی ہے)۔

انسویا (خود)۔ تو میں دنیا کی رسم و راہ سے انجان ہوں تو کیا ہوا، اتنا تو سمجھ ہی سکتی ہوں کہ اُس راجہ نے شکنتلا سے بُرا سلوک کیا۔

چیلا۔ گرو جی سے چل کر کہہ دوں کہ پوجا کا سمے ہوگیا۔

(چلا جاتا ہے)

انسویا۔ یہ پہاڑ سا دن کیسے کٹے۔ جی کچھ ایسا گرا ہوا ہے کہ نِت کے کام بھی نہیں کیے جاتے۔ کام دیو، ہماری بھولی بھالی سکھی کو ایک بزدل کے پھندے میں پھنسا کر تمھارا کلیجہ ٹھنڈا پڑا؟ .... یا اس تغافل کی اصل وجہ دروا ساکی بد دعا ہے؟ .... ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ راجہ ایسے ایسے وعدے وعید کرنے کے باوجود اتنی مدت میں ایک چھٹی بھی نہ بھیجتا۔

(سوچتی ہوئی) اس صورت میں نشانی کی وہ انگوٹھی یہاں سے اس کے پاس جانی چاہیے۔ مگر سب سادھو تو اپنی اپنی تپسیا میں ڈوبے ہوئے ہیں، بھیجیں کسے؟ نہ میں کنوبابا سے کہہ سکتی ہوں کہ شکنتلا کا بیاہ ہو چکا اور اس کا بدن بھاری ہے کیونکہ قصور تو اسی مت ماری کا ہے۔

ہائے، اس بپتا میں ہم کیا کریں!

پرمیودا (آتی ہے، خوشی کے مارے پھولی نہیں سماتی)۔

بہنا، جلدی آؤ۔ شکنتلا اپنے دولھا کے گھر جا رہی ہے۔ رخصتی کی رسم ادا کرنا ہے۔

انسویا۔ اری ، یہ کیا ہوا ؟

پریمودا۔ سنو۔ ابھی میں شکنتلا سے پوچھنے گئی تھی کہ رات کو نیند تو اچھی آئی۔

انسویا۔ ہاں تو پھر۔

پریمودا۔ میں نے دیکھا کہ شکنتلا لاج کی ماری سر جھکائے کھڑی ہے اور کنو بابا اُسے گلے لگا کر کہہ رہے ہیں۔ "مرحبا ! پجاری کی آنکھیں دھوئیں کے مارے دُھندلا گئیں تو کیا ہوا ، اس کا چڑھاوا تو آگ کو پہنچ ہی گیا۔ میری بچی، تو اس ہُنر کی طرح ہے جو کسی سعادت مند شاگرد کو سکھایا گیا ہو کیونکہ تو کوئی ایسا کام نہیں کرسکتی جو میری خفّت کا باعث ہو۔ آج ہی میں سادھوؤں کے سنگ تجھے نیہر بھیج دوں گا"۔

انسویا۔ لیکن کنو بابا پر یہ راز کیسے کھلا۔

پریمودا۔ جب وہ دیوالا کو جا رہے تھے تو آکاس بانی سنائی دی۔

انسویا (حیرت سے)۔ ایں ، وہ آواز کیا تھی ؟

پریمودا۔ اس نے کہا کہ اے برہمن ، اپنی بیٹی کو کیکر کا پیڑ سمجھ جس کے تنے میں آگ بھری ہوتی ہے۔ کیونکہ دُشینت نے اسے آگ کی اس چنگاری کا حامل بنایا ہے جو کبھی دنیا کو اُجال دے گی۔

انسویا (پریمودا کو گلے لگا کر) سکھی، میں واری ! میں تو سُکھ سے نہال ہو گئی، مگر ساتھ ساتھ اس کا دُکھ بھی ہے کہ شکنتلا ہم سے بچھڑ جائے گی۔

پریمودا۔ اری پگلی، ہم اپنے غم کو کسی نہ کسی طرح بہلا ہی لیں گے، اُسے تو چین نصیب ہوگا۔

انسویا۔ خیر۔ دیکھو، آم کی اس شاخ پر میں نے ایک ڈلیا لٹکا رکھی ہے
جس میں اسی موقع کے لیے ایک سدا بہار ہار رکھا ہوا ہے تم اسے
نکال لاؤ۔ میں جاکر اس کے سنگار کا سامان کرتی ہوں۔ گو لوچن،
تیرتھوں کی خاک پاک اور قربان گاہ کے تنکے جمع کرتی ہوں۔

پریمودا۔ اچھا، تم جاؤ۔

(انسویا جاتی ہے، پریمودا پھول توڑنے لگتی ہے)

(پسِ پردہ)۔ گوتمی، شارنگرو اور شارووت سے کہو کہ انھیں شکنتلا کے
ساتھ جانا ہے۔

پریمودا (سُن کر)۔ انسویا، پھرتی کرو! ہستنا پور جانے والے سادھو
تیار ہو رہے ہیں۔

انسویا۔ (سنگار کا سامان لے کر آتی ہے)۔ بہن چلو چلیں۔

(دونوں چلنے لگتی ہیں)

پریمودا (کچھ دیکھ کر)۔ دیکھو۔ پو پھٹتے ہی شکنتلا نکھ سے سُکھ تک نہا
دھوکر وہاں کھڑی ہوئی ہے۔ جوگنیں اسے مبارکباد دے رہی ہیں
اور نظر اُتارنے کے لیے مٹھی بھر بھر اناج لے آئی ہیں۔ چلو اس کے پاس۔

(ادھر جاتی ہیں۔ شکنتلا اسی حالت میں نظر آتی ہے)

ایک جوگن۔ بیٹی! بھگوان تمھیں مہارانی بنائیں اور یہ لقب تمھارے
دولھا کے اتھاہ پریم کی نشانی ہو۔

دوسری۔ بیٹی، بھگوان کرے کہ تمھارا بیٹا بڑا سورما ہو۔

تیسری۔ دعا ہے کہ تمھارا دولھا تمھیں سر آنکھوں پر جگہ دے۔

(دعائیں دے کر گوتمی کے سوا سب چلی جاتی ہیں)۔

سکھیاں (پاس آکر)۔ پیاری، یہ اشنان مبارک ثابت ہو۔
شکنتلا۔ جم جم آؤ۔ میرے پاس براجو۔
دونوں (سنگار کا سامان رکھ کر بیٹھ جاتی ہیں)۔ جانی، تمھیں سنوارنا
سجانا ہو۔ تیار ہو جاؤ۔
شکنتلا۔ میں قربان! ہائے، اب مجھے اپنی سہیلیوں کے ہاتھ کا سنگار
کب نصیب ہوگا (رونے لگتی ہو)۔
سکھیاں۔ بہن، ایسی شبھ گھڑی میں رونا اچھا نہیں۔
(اس کے آنسو پونچھ کر سنگار کرنے لگتی ہیں)۔
پریموِدا۔ اس روپ کو تو ہیرے موتی سے آراستہ ہونا چاہیے تھا۔ آشرم
کی پھول پتّوں سے اس کی سبکی ہوتی ہو۔
(اتنے میں دو رشی کمار گہنے لیے آتے ہیں)
چیلے۔ یہ رتن ہم دیوی جی کے لیے لائے ہیں۔
گوتمی۔ بٹیا نارو، یہ تمھیں کس نے دیے۔
پہلا۔ یہ گرو مہاراج کی کرامات کا ظہورا ہو۔
گوتمی۔ اوہو! کیا ارادہ کرتے ہی یہ پیدا ہو گئے؟
دُوسرا۔ جی نہیں۔ گرو جی نے ہم سے کہا کہ شکنتلا کے لیے پیڑوں سے
پھول چن ڈالو۔

ابھی ہم گل چینی کر رہے تھے کہ کسی پیڑ نے ہماری طرف
ایک ریشمی ڈوپٹا لہرا دیا، وہ جو چاندنی کی طرح سبک و سپید ہو۔
ایک نے مہاور ٹپکایا، وہ جس سے پانو رنگے جاتے ہیں۔ یہاں
وہاں سے بن پریوں نے نازک ہاتھ نکال کر ہماری طرف

رنگ برنگے گہنے بڑھا دیے۔ ان کی کلائیاں ٹہنیوں کی مانند لچیلی تھیں
پرمیودا (شکنتلا کو دیکھ کر)۔ یہ نیک شگون بتلاتا ہی کہ تم سسرال میں راج کروگی۔
پہلا چیلا۔ آؤ بھائی۔ گروجی نہاکر آچکے ہوں گے۔ انھیں پیڑوں کی اس دین کا حال سُنا دیں۔
دوسرا۔ ہاں چلو (دونوں جاتے ہیں)۔
سکھیاں۔ بھلا ہم گہنوں کا حال کیا جانیں۔ تصویروں میں جیسا دیکھا ہی اسی انداز پہ تمھیں پہناتی ہیں۔
شکنتلا۔ چلو ہٹو بھی۔ میں تمھارے مکر کو خوب جانتی ہوں۔
(سکھیاں گہنے پہناتی ہیں)۔

(نہا دھوکر کنو رشی آتے ہیں)۔
کنو (خود)۔ آج شکنتلا چلی جائے گی۔ اس خیال سے میرا دل غم واندوہ میں ڈوبا ہوا ہی آنسوؤں کے روندھنے سے گلا مسوس رہا ہی اور ہاتھ پیر ڈھیلے پڑگئے ہیں۔ جب مجھ بن باسی کو محبت کے جذبہ نے اس حد تک مغلوب کردیا ہی تو اپنی بیٹیوں کو پہلے پہل بدا کرتے سمے دنیا داروں کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ (ٹہلنے لگتا ہی)۔
سکھیاں۔ شکنتلا، سنگار ہوچکا۔ اب تم یہ ریشمی جوڑا پہن ڈالو۔
گوتمی۔ بیٹی، تمھارے بابا آرہے ہیں۔ ان کی آنکھیں تمھیں دیکھ کر مسکرا رہی ہیں۔ آداب بجالاؤ۔
شکنتلا (شرماتی ہوئی)۔ پا لاگوں بابا۔
کنو۔ بیٹی، تو اپنے دولھا کو اتنی ہی محبوب ہو جتنی شرمشٹھا

بیامتی کو پیاری تھی[1] اور اگر اس نے پُرو جیسے نام ور کو جنم دیا تو دعا ہو کہ تیرا بیٹا بھی راجا دھراج ہو۔

گوتمی۔ یہ مراد طلبی نہیں بلکہ مراد بخشی ہو۔

کنو۔ بیٹی، آؤ اگنی دیوتا کا طواف کر ڈالو۔ ابھی انھیں ایندھن دیا ہو۔ آگ کی یہ لپٹیں جو اپنا چڑھاوا لے کر قربان گاہ کے گرداگرد اپنی اپنی جگہ پر بھڑک رہی ہیں اور جن کے کنارے کُش گھاس کے تنکے بکھرے پڑے ہیں۔ دعا ہو کہ یہ تجھے پاک کریں اور ہون کی مہک پاپ کی بو باس کو اڑا لے جائے۔

(سب لوگ طواف کرتے ہیں)۔

اب سدھارو۔

(ٹہلتے ہوئے)۔ شارنگرو وغیرہ کہاں ہیں۔

دونوں چیلے (اندر آکر)۔ گرو جی ہم تیار ہیں۔

کنو۔ اپنی بہن کو گیل بتاؤ۔

شارنگرو۔ بہن جی، ادھر سے چلنا ہو۔

کنو۔ ارے او تپ بن کے پیڑو! وہ جو تمھیں پانی دیے بنا منہ میں پانی کی بوند نہ ڈالتی تھی، وہ جو سنگار کی پریمی ہوتے ہوئے بھی تمھاری چاہ کے مارے نئی کونپلوں کو ہاتھ نہ لگاتی تھی، وہ جسے تمھارے نئے پھولوں کا دیدار مسرّت کا پیام تھا ــــ وہی شکنتلا آج اپنے سسرال جارہی ہو۔ تم سب اسے ہنسی خوشی رخصت کرو۔

(کویل کی کوک سُن کر)۔ شکنتلا کے چہیتے پیڑ اسے الوداع

---

[1] پرانک تلمیحات۔

کہ رہے ہیں۔ کویل کی کوک میں انھیں کی صدا سمائی ہوئی ہے)۔
(دور سے آواز آتی ہے)۔ اس کا راستہ، جس کی منزلوں کو کنول بچھے
ہوئے تالاب خوش کام بنائیں گے اور سایہ دار درخت دھوپ
کی کلفت کو دور کریں گے، کاش ایسا ہو جائے کہ اس کی خاک
دھول زرِ گل کی طرح نرم ہو، اس پر ہلکی ہلکی بادِ صبا چل رہی
ہو اور وہ بالکل بے خطر ہو۔
(سن کر سب حیرت زدہ رہ جاتے ہیں)۔

گوتمی۔ تپ بن کی دیویاں، جو ہماری طرح تیری شفیق ہیں تجھے آشیرباد
دے رہی ہیں، ان کے آگے سر جھکا۔

شکنتلا (سر جھکا کر ٹہلتی ہوئی ــــ علیحدہ)۔ پیاری پریمودا، یہ سچ ہے کہ
میں پران پیارے کے درشن کی پیاسی ہوں لیکن آشرم سے جاتے
ہوئے میرے پانو ڈگمگا رہے ہیں۔

پریمودا۔ اکیلی تمھیں کو جدائی کا صدمہ نہیں ہے۔ ذرا اس آشرم کی اداسی
کو دیکھو جس سے تم کسی دم میں بچھڑ جاؤ گی۔ ہرنوں نے چرنا
چھوڑ دیا ہے، مور اپنا ناچ بھول گئے ہیں اور ڈالیں سوکھی
پتّیوں کی صورت میں آنسو بہا رہی ہیں۔

شکنتلا (کچھ یاد کر کے) بابا! میں اس بیل سے جو میری بہن ہے، وداع
جس کا نام بن جوت ہے، بدا ہو لوں؟

کنو۔ کیوں نہیں۔ اس سے تمھارے بہناپے کو میں جانتا ہوں۔

شکنتلا (بیل کو گلے لگا کر)۔ بن جوت، اپنے پتیم آم کے پیڑ سے تو چمٹی
ہوئی ہے تو کیا ہوا، اپنی ان ٹہنیوں سے جو ادھر مڑ آئی ہیں،

تو مجھے بھی لپٹا سکتی ہے۔
ارے ، اب میں تجھ سے بہت دور ہو جاؤں گی۔
کنو۔ حسن سیرت سے تونے اپنے لائق شوہر ڈھونڈ لیا۔ اس چمیلی نے بھی اپنے جوگ بر تلاش کر لیا۔ اب میں دونوں کی طرف سے نچنت ہو گیا۔
بیٹی اب دیر نہ کرو ، بدائی کی گھڑی ٹل رہی ہے۔
شکنتلا (سکھیوں سے)۔ بہنو ، اِس بیل کو تمھیں سونپا۔
سکھیاں۔ لیکن ہمیں کسے سونپ کر جاتی ہو۔
(رونے لگتی ہیں)
کنو۔ یہ رونا دھونا کیسا۔ انسویا ، تمھیں تو شکنتلا کی دل جوئی کرنا ہے۔
شکنتلا اچھے بابا ، یہ ہرنی جو حمل کی وجہ سے کٹیا کے پاس سے آہستہ آہستہ گزر رہی ہے ، جب یہ بچّے جن دے تو مجھے سندیسہ بھیجنا۔
کنو۔ اچھا ، میں بھولوں گا نہیں۔
شکنتلا (ٹھٹک کر) ارے یہ کون ہے جس نے میرا پلّو پکڑ لیا ؟
کنو۔ یہ ہرن کا وہی بچّہ ہے جسے تونے اپنا بیٹا بنایا تھا۔ جب گھاس کے تنکوں کی نوک سے اس کا منہ سوج گیا تھا ، تو تُونے مال کنگنی کا تیل لگا لگا کر اِسے اچھا کیا تھا اور اپنے ہاتھوں سے پال پوس کر اسے بڑا کیا تھا۔ وہی اب تیری راہ روکے کھڑا ہے۔
شکنتلا۔ میری جان ، میں تجھے چھوڑ کر جا رہی ہوں تو تو مجھے کیوں نہیں چھوڑ دیتا۔ تو بن ماں کا ننھا سا تھا ، تب سے تیری پرورش کی ہے۔ اب میں تجھے چھوڑے جاتی ہوں تو بابا تیری خبرگیری کریں گے۔ (روتی ہے)
کنو۔ بیٹی ، رونے سے کیا حاصل۔ اپنی طبیعت کو سنبھالو اور ایک نظر

اپنی راہ کو دیکھ لو۔ تمھاری آنکھیں اتنی ڈبڈبائی ہوئی ہیں کہ پلکیں بے حرکت ہوگئی ہیں۔ ان آنسوؤں کو پی ڈالو۔ راستہ کی اونچ نیچ نہ دیکھ سکنے کے کارن تمھارے قدم ٹھیک نہیں پڑ رہے ہیں۔

شارنگرو۔ گروجی، سنتے ہیں کہ اپنے پیاروں کو بدا کرنے کے لیے جل کنارے تک آنا چاہیے۔ لیجیے، اب یہ تالاب کا سرا آ گیا۔ ہمیں حکم دے کر آپ یہیں سے لوٹ جائیے۔

کنو۔ تو پھر آؤ۔ ایک گھڑی شہتوت کے اس پیڑ کی چھانو میں کھڑے ہو جائیں۔

(سب وہاں جاکر رک جاتے ہیں)

کنو (خود)۔ راجہ دشینت جیسے اعلیٰ مقام کے شایان شان کیا پیغام بھیجوں۔ (سوچنے لگتا ہی)

شکنتلا (علیحدہ)۔ سکھیو دیکھو۔ چکور جو کنول کی پنکھڑیوں میں چھپ گیا ہی تو چکوی چیخ چیخ کر ہلکان ہوئی جا رہی ہو۔ مجھ سے پوچھو کہ کس مشکل سے اپنے کو ضبط کیے ہوئے ہوں۔

انسویا۔ یہ نہ کہو۔ پیا بن آخر وہ بھی پہاڑ سی رات کاٹ ہی دیتی ہو۔ پھر نگوڑی شب فرقت کتنی طولانی ہوتی ہو یہ سوچ لو۔ جدائی کا غم کتنا ہی جان لیوا کیوں نہ ہو لیکن امید یہ وقت بھی گزار ہی دیتی ہو۔

کنو۔ شارنگرو، شکنتلا کو آگے کر کے اس راجہ کو ہمارا یہ سندیسہ سنانا۔

شارنگرو۔ ارشاد۔

کنو۔ "یہ من میں رکھتے ہوئے کہ اگر تم شاہ ہو تو ہم بھی گدا ہیں اور

پھر یہ کہ شکنتلا نے کسی کے دباؤ سے نہیں بلکہ آزادی سے تم سے محبّت کی ہو، تمھارا فرض ہو کہ اس سے دوسری رانیوں کا سا برتاؤ کرو۔ اس سے زیادہ ہوتا نہ ہونا قسمت کی بات ہو۔ لڑکی والوں کو اس بارے میں کچھ نہ کہنا چاہیے۔"

شارنگرو۔ بہت خوب۔ مجھے یاد رہے گا۔

کنو۔ میری بچّی، اب تمھیں ایک دو سیکھ دینا ہو۔ بن باسی ہوتے ہوئے بھی ہم دنیا داری کو سمجھتے ہیں۔

شارنگرو۔ اہلِ نظر کو کیا نہیں معلوم۔

کنو۔ جب نیہر پہنچو تو اپنے بڑوں کی خدمت سے کبھی گریز نہ کرنا، اپنی سوتوں سے سکھیوں کا سا برتاؤ کرنا۔ شوہر کبھی بھلا برا کہہ بھی دے تو الٹ کر جواب نہ دینا۔ نوکروں سے ہمیشہ اچھا سلوک کرنا، عیش و نشاط میں رہ کر کبھی نخوت کا سبق نہ لینا۔

جب لڑکیاں یہ چلن اختیار کرتی ہیں تو شریف زادیاں کہلاتی ہیں۔ اور جو الٹی راہ چلیں تو اپنے خاندان کو کلنک لگاتی ہیں۔" کیوں گوتمی دیوی، کیا رائے ہو۔

گوتمی۔ دولھن کے لیے اس سے اچھی اور کیا نصیحت ہوسکتی ہو۔ جان من، اسے گرہ میں باندھ رکھو۔

کنو۔ بیٹی، آؤ اب ہم سب سے گلے مل لو۔

شکنتلا۔ بابا، کیا میری سہیلیاں یہیں سے لوٹ جائیں گی۔

کنو۔ بیٹی، کبھی ان کا بھی بیاہ کرنا ہو۔ ان کا وہاں جانا اچھا نہیں۔ گوتمی تمھارے ساتھ جائیں گی۔

شکنتلا (باپ کے گلے سے لپٹ کر) جیسے چندن کا پیڑ میسور کی پہاڑی سے ہٹا دیا جائے، ویسے ہی اپنے آبا کی گود سے دور دراز کسی پرائے گھر میں میں زندگی کیسے تیر کروں گی۔

کنو۔ بیٹی، تم ناحق پریشان ہو رہی ہو۔ جب تمھارا بلند اقبال شوہر تمھیں مہارانی کا منصب دے گا، جب اس کے ساتھ راج پاٹ کے دھندوں میں پھنس جاؤ گی، جب ایک بھاگوان بیٹے کو جنم دو گی جیسے پورب اپنی کوکھ سے سورج کو نکالتا ہے — تو پھر ہماری جدائی کا غم بالکل بھول جاؤ گی۔

(شکنتلا باپ کے قدموں پر گر پڑتی ہے)

کنو۔ میرے آشیرباد سے تیری سب تمنائیں بر آئیں گی۔

شکنتلا (سکھیوں سے)۔ بہنو، تم دونوں ایک ساتھ مجھے گلے لگاؤ۔

سکھیاں ـ (گلے لگا کر) پیاری، اگر وہ راجہ تمھیں جلدی نہ پہچان سکے تو اُسے یہ انگوٹھی دکھا دینا جس پر اُس کا نام کندہ ہے۔

شکنتلا۔ اس وسوسے سے میرا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔

سکھیاں۔ ڈرنے کی کیا بات ہے۔ محبّت بدگمان ہوتی ہی ہے۔

شارنگرو۔ بہن جی، اب دن پہر سے زیادہ چڑھ گیا، جلدی کیجیے۔

شکنتلا (آشرم کی طرف مڑ کر)۔ بابا! اب یہاں آنا کب نصیب ہو گا؟

کنو۔ سنو۔ جب تم دھرتی کی سوت[1] بن کر بہت دنوں رہ چکو گی اور اپنے نونہال کے لیے دنیا کو بیریوں سے پاک کر لو گی، تب تمھارا شوہر راج کا بھار اس کے ہاتھ سونپ کر تمھارے ساتھ اس آشرم میں چلا آئے گا[2]

[1] دیکھیے صفحہ ۴۸ کا حاشیہ۔ [2] پُرانک تلمیحات — ۷

گوتمی۔ دلاری، دیکھو۔ بدائی کا لگن ٹلا جا رہا ہے۔ اب اپنے بابا کو رخصت کرو۔
گرو جی، آپ ہی لوٹ جائیں۔ یہ تو برابر یوں ہی کیے جائنے گی۔
شکنتلا (دوبارہ کنو کے سینہ سے لپٹ کر) بابا، آپ کا تن تپشیا کے مارے سوکھ کر کانٹا ہوا جا رہا ہے۔ میری یاد میں زیادہ بےکل نہ ہونا۔
کنو۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر)۔ بیٹی، جب میں کٹیا کے سامنے ان دھان کی بالوں کو سر ہلاتا دیکھوں گا جنھیں تو پوجا میں چڑھایا کرتی تھی تو میرا دل کیسے نہ بھر آئے گا۔
اب سدھارو۔ جاؤ، بھگوان کو سونپا۔
(شکنتلا سنگیوں کے ساتھ جاتی ہے)۔
سکھیاں (شکنتلا کو دیکھتی ہوئیں)۔ ہائے ہائے! گھنی جھاڑیوں نے شکنتلا کو چھپا لیا۔
کنو (آہ بھر کر)۔ انسویا، تمھاری سہیلی چلی گئی اپنے کو سنبھالو اور میرے ساتھ آؤ۔
(سب جانے لگتے ہیں)
سکھیاں۔ بابا، شکنتلا بنا یہ آشرم کیسا سونا سونا سا لگتا ہے۔
کنو۔ یہ محبّت کا کرشمہ ہے (سوچتے ہوئے) اُوف، اوہ! شکنتلا کو اس کے سُسرال بھیج کر ایسا لگ رہا ہے کہ ایک بڑا بار اُتر گیا، اِس لیے کہ بیٹی آخر پرایا دھن ہی ہے، آج اسے نیہر بھیج کر ایسا ہی اطمینان ہو رہا ہے جیسا کسی کی امانت لوٹا کر۔

ڈراپ

پانچواں ایکٹ

مقام - راج محل

[راجہ اور مادھو بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں]

مادھو (کان لگا کر)۔ سرود خانہ سے یہ کیسی آواز آرہی ہے۔ کوئی میٹھے میٹھے بانکے گیت کیں اُستادی سے گا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ رانی 'ہنس پادکا' سرگم کی مشق کر رہی ہیں۔

راجہ۔ سُن تبھی سکتا ہوں جب تم اپنی بڑ بند کرو۔

(دور سے گانے کی آواز)

بھونرے تُو ہے مدھ کا لوبھی۔
پہلے آم مور کو چوم کر
کنولوں پر اب جھوم جھوم کر
ایک گھڑی ان کے دل بیچ رہ،
بھول گیا تو ہم کو پیارے

راجہ۔ اِس نغمہ میں کتنا سوز ہے۔

مادھو۔ کیا آپ سچ مچ اس گیت کا اصل مطلب سمجھ گئے۔

راجہ (مسکرا کر) ہاں سمجھا! پہلے میں اس کا فریفتہ تھا، اب وسومتی کا شیدائی ہوں۔ اسی لیے وہ مجھے طعنہ دے رہی ہے۔ بھئی مادھو، اس سے کہہ آؤ کہ اِس اُلاہنے پر میں ریجھ گیا۔

مادھو۔ بہت اچھا۔ (اٹھ کر) جیسے کسی حور کے دام میں آکر زاہد کی خیر نہیں، ویسے ہی میرے لیے بھی پناہ کی کوئی راہ نہیں۔ رانی صاحبہ دوسروں کے ہاتھ سے میری وہ مرمّت کرائیں گی کہ چندیا گنجی ہو جائے گی۔

راجہ۔ اماں، جاؤ بھی۔ شرافت سے پیش آؤ گے تو یہ نہ ہوگا۔

مادھو۔ دیکھیے کیا گت بنتی ہے۔ (جاتا ہے)

راجہ (خود)۔ کیا بات ہے کہ یہ گیت سُن کر میرا دل آپ ہی آپ بھر آیا حالانکہ کسی پیارے کے بجوگ کی کھولن بھی نہیں ہے۔

یا یہ بات ہے۔ حسین چیزوں کو دیکھ کر اور شیریں نغموں کو سُن کر اگر کسی شاد کام کا دل آپ ہی آپ درد سے بھر آئے تو سمجھنا چاہیے کہ کوئی نامعلوم جذبہ پچھلے جنم کے دوستوں کی یاد دلا رہا ہے۔ (بےچینی کا اظہار کرتا ہے)

(حاجب داخل ہوتا ہے)

حاجب (خود) وائے برحالِ ما، نوبت بہ ایں جا رسید کہ جو جریب مدّتوں سے میرے منصب کی نشانی تھی، اب اسی سے سہارے کی لاٹھی کا کام لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ چلنے میں میرے پانو کانپنے لگتے ہیں۔

یہ تو سچ ہے کہ مہاراج کو دھرم کاج کا دھیان رکھنا چاہیے لیکن وہ تو ابھی ابھی دربار سے اٹھ کر آئے ہیں۔ ان سے اسی وقت جاکر نہیں کہا جاتا کہ کنو رشی کے چیلے ملنا چاہتے ہیں۔ ان کے آرام میں خلل ہوگا۔

گر میاں، یہ بھی واقعہ ہی کہ پالن ہاروں کو آرام کب میسر۔ سورج کی سواری جو ایک بار سفر پر روانہ ہوئی تو کہیں نہ تھمی۔ اور ہوا جو چلی تو چلی ہی چلی۔ پھر شیش ناگ کو دیکھو کہ ان کی کھوپڑی پر زمین کا بوجھ ایک بار لادا گیا تو چھن بھر کے لیے نہ اترا۔ یہی حال ہمارے مہاراج کا ہی۔

بھئی میں جھمیلے میں کیوں پڑوں۔ سندیسہ سُنا دوں۔

(جھانک کر)۔ اپنی اولاد کی طرح پرجا کی پرورش کرکے حضور تھک گئے ہیں اور کنج تنہائی میں آرام لے رہے ہیں۔ ہاتھیوں کا راجہ بھی دن بھر اپنے گلّہ کی رہبری کرکے دھوپ کا مارا کوئی ٹھنڈی جگہ ڈھونڈتا ہی ہی۔

(قریب جاکر) مہاراج کی جَے ہو۔

ہمالیہ کی ترائی کے باسی، دو سادھو دو دیویوں کے ساتھ آئے ہیں اور کنو رشی کا کوئی سندیسہ لاتے ہیں۔ کیا حکم ہوتا ہی؟

راجہ (حیرت سے) کیا کہا؟ سادھو اور عورتیں! کنو رشی کا سندیسہ[۲]

حاجب۔ جی ہاں۔

راجہ۔ سومارت، پُروہت سے کہو کہ وہ ریت کے مطابق ان کی آؤ بھگت کریں، پھر اپنے ساتھ انھیں میرے پاس لائیں۔ میں بھی کسی ایسے مقام پر جاکر ان کا انتظار کرتا ہوں جو سادھوؤں کے مناسب ہو۔

حاجب۔ جو حکم سرکار (جاتا ہی)

راجہ (اٹھ کر) ویتروتی، آتش کدہ کی راہ کون سی ہی؟

---

۱ پرانک تلمیحات ۔ ۸ ÷ ۲ بددعا کی وجہ سے راجہ تپ بن کا قصّہ بالکل بھول چکا ہے
مترجم

عرض بیگی ۔ سرکار ادھر تشریف لائیں۔

راجہ (ٹہلتے ہوئے ۔ یہ جتاکر کہ وہ کثرتِ کار سے تھک گیا ہی)۔ ہر آدمی اپنے مقصد کو پاکر اطمینان کی سانس لیتا ہی۔ لیکن حکومت کو اطمینان سے کیا واسطہ ۔ جب راج مل جاتا ہی تو ایک کھٹکا دور ہو جاتا ہی لیکن جو مِل گیا وہ کھو نہ جائے، یہ تردّد کیا کچھ کم ہی ۔حکومت چھتری کی طرح ہی ۔ اگر اس کی ڈنڈی اپنے ہاتھ میں تھامے رہو تو تھکن گھٹنے کے بجائے بڑھ جاتی ہی۔

(پسِ پردہ ۔ دو بھاٹوں کی آواز)۔حضور کا اقبال دو بالا ہو۔

ایک بھاٹ ۔آپ اپنے عیش و آرام کو تج کر صبح و شام پرجا سیوا میں لگے رہتے ہیں۔ یہی آپ کا دھرم ہی۔ پیڑ کا سبھاؤ بھی یہی ہی کہ اپنی پھننگ پر سورج کی کرنوں کو سہہ لے۔لیکن اپنی چھایا تو میں بیٹھنے والوں کو ٹھنڈک پہنچائے۔

دوسرا بھاٹ ۔ اپنے انصاف سے آپ بھٹکے ہوؤں کو نیت کی ریت سکھاتے ہیں اور پرجا میں امن قائم رکھتے ہیں ۔ دھن مال ہو تو بھائی بند بہت مل جاتے ہیں ۔ لیکن کنگالی میں ناتا نباہنے والا ایک آپ ہی کا دم ہی۔

راجہ۔ یہاں آکر میری تھکن ہرن ہو گئی۔

چوب دار ۔ سرکار ، آتش کدہ کی چاندنی لیپ پُت کر جھل جھلا رہی ہی ہوَن کی گائے بھی وہیں بندھی ہوئی ہی۔ سیڑھیوں پر ہو کر وہیں چلیے۔

راجہ (اوپر چڑھتے ہوئے ، نوکروں کے کاندھے کا سہارا لئے کر)۔

کیوں جی، کنو رشی نے یہ سادھو کس غرض سے بھیجے ہوں گے؟ کہیں جوگیوں کے دھرم کاج میں کوئی رخنہ تو نہیں پڑا، یا کوئی پاپی ان کے جانوروں کو ستا رہا ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے کسی پاپ کے کارن آشرم کے پودوں کی باڑھ ماری گئی۔ اس حیص بیص سے میرا جی اُلجھ رہا ہے۔

چوب دار۔ میرے خیال میں تو یہ سادھو آپ کی رعایا پروری سے خوش ہوکر مبارک باد دینے آتے ہیں۔

(شکنتلا کو ساتھ لیے ہوئے گوتمی اور چیلے آتے ہیں۔ حاجب اور پجاری 'سومارت' آگے آگے ہیں)

دربان۔ صاحبو، ادھر آؤ۔

شارنگرو (علیحدہ) بھائی شاردوت، اس میں شک نہیں کہ یہ راجہ بڑا پرتاپی ہے۔ کبھی راہ راست سے نہیں ڈگتا اور اس کے راج میں نیچ ذات والے بھی دھرم کی ڈگر سے نہیں ہٹتے مگر اسے کیا کروں کہ میری تنہائی پسند طبیعت اس بھیڑ بھاڑ سے گھبراتی ہے اور مجھے اس آنگن میں ہر طرف آگ ہی آگ نظر آتی ہے۔

شاردوت (علیحدہ)۔ شہر میں آکر مجھے بھی یہی محسوس ہو رہا ہے۔ ان عشرت پسندوں کو میں خود اس نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے کوئی پاک صاف، کسی نجس ناپاک کو، کوئی ہوشیار کسی نیند کے ماتے کو یا کوئی آزاد کسی غلام کو دیکھتا ہے۔

شکنتلا (بدشگونی کا اظہار کرکے)۔ ہائے! میری داہنی آنکھ کیوں پھڑکنے لگی؟

گوتمی۔ بیٹی، دُکھ کے دن بیت گئے۔ تیرے نیہر کے دیوتا تیرا بھلا کریں۔

پجاری (راجہ کی طرف اشارہ کرکے)۔ سنیاسیو! ہمارے راجہ کے پاس ادب کو دیکھا کہ پہلے سے کرسی چھوڑ کر تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔

شارنگرو۔ پجاری جی! یہ ان کا بڑ پن ہے۔ اور ہم سے پوچھو تو یہی ان کا فرض تھا۔

پھل آئے تو پیڑ جُھک ہی جائیں گے، برکھا آئی تو بادل نیچے اُتر ہی آئیں گے۔ یہی حال اچھوں کا ہے کہ دولت انھیں جھکاتی ہے دوسروں کا بھلا کرنے والوں کا یہی چلن ہے۔

چوب دار۔ مہاراج! ان سب کے چہرے تو خوشی کے مارے کھلے ہوئے ہیں۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کارِ خیر کے لیے آئے ہیں۔

راجہ (شکنتلا کو دیکھ کر)۔ جوگیوں کے جھنڈ میں گھونگھٹ کاڑھے ہوئے یہ سندری کون ہے؟ سوکھی پتّیوں میں یہ نئی کونپل کہاں سے آئی؟

چوب دار۔ سرکار، میری عقل بھی کام نہیں کرتی۔ اِتنا ضرور کہوں گا کہ اس کا جمال دیدار کے قابل ہے۔

راجہ۔ پرائی عورت سے تاک جھانک ٹھیک نہیں۔

شکنتلا (کلیجہ تھام کر۔ خود) ارے دل! تو ناحق بیٹھا جا رہا ہے۔ پیتم کے اُس پیار کو یاد کر اور دھیرج رکھ۔

پجاری (آگے آکر) مہاراج، ان کی آؤ بھگت کی رسم ہم ادا کر چکے، اب یہ اپنے گرو کنو کا کوئی سندیسہ سنانا چاہتے ہیں۔ اسے سننے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

راجہ (احترام سے)۔ میں جی لگا کر سن رہا ہوں۔
دونوں سادھو (ہاتھ اُٹھا کر)۔ مہاراج کی جو ہو۔
راجہ۔ میں آپ سب کو پرنام کرتا ہوں۔
دونوں سادھو۔ آپ کی مُرادیں بر آئیں۔
راجہ۔ آپ کے تپ جپ میں کوئی روک ٹوک تو نہیں ہی؟
شارنگرو۔ جب تک آپ اس جہان کے امین ہیں، تب تک دھرم کاج میں رکاوٹ کا اندیشہ کیسے ہو سکتا ہی۔ سورج کے چمکتے اندھیرے کا کیا کھٹکا؟
راجہ۔ آپ کے اتنا کہنے سے میں راجہ کہلانے کا مستحق ہو گیا۔ کنو رشی کا دم دنیا کے بھلے کے لیے غنیمت ہی۔ ان کے مزاج تو بخیر ہیں۔
شارنگرو۔ خیریت تو رشیوں کی لونڈی ہو۔ ہمارے گرُو نے آشیرباد کے بعد یہ سندیسہ بھیجا ہو۔
راجہ۔ اسے سُننے کا میں مشتاق ہُوں۔
شارنگرو۔ سُنیے "آپ دونوں نے آپس کی رضامندی سے پریم بیاہ کیا اور میں نے بھی اس فعل کو پسند کیا۔ کیونکہ ہماری نظر میں آپ نیکوں کے سرتاج ہیں اور شکنتلا ستیوں کی رانی ہو۔ اب تک بھگوان کو اُلاہنا ملتا رہا کہ انہیں جوڑی ملاتے ہیں لیکن دشینت اور شکنتلا کی جوڑی ملا کر اُس نے یہ کلنک دھو دیا۔ اب دھرم ریت کے مطابق اس حاملہ کو قبول کیجیے"
گوتمی۔ راجا صاحب، مجھے بھی کچھ کہنا ہو، لیکن سوچتی ہوں کہ کہوں یا نہ کہوں۔ اس نے اپنے بڑے بوڑھوں سے نہیں پوچھا اور

نہ آپ نے بھائی بندوں کی رائے لی۔ اِس صورت میں کسی تیسرے کو کچھ بولنے کا حق نہیں رہ جاتا۔

شکنتلا (خود) اب اپنے مالک کا جواب سننا ہی۔

راجہ (اچنبھے سے)۔ یہ کیسا سوانگ ہی؟

شکنتلا (خود)۔ ارے، جیسے کسی نے مجھے دہکتی آگ میں جھونک دیا۔

شارنگرو۔ ایں، آپ نے یہ کیا کہا۔ آپ تو دنیا کی راہ و رسم سے بخوبی واقف ہیں۔ کوئی سہاگن اگر میاں کے جیتے جی اپنے میکے میں جا رہے تو لوگ انگشت نمائی کرتے ہیں، چاہے وہ کیسی ہی ستی ساوتری ہو۔ اس لیے وہ اپنی پیا کی پیاری ہو یا نہ ہو، لیکن گھر والوں کی یہی مرضی ہوتی ہو کہ جوان عورت نیہر میں رہے۔

راجہ۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس دیوی سے کبھی میرا بیاہ ہوا تھا؟

شکنتلا (مایوس ہو کر۔ خود)۔ لے کمبخت دِل! لے، تیرا وسوسہ صحیح نکلا۔

شارنگرو۔ اگر کوئی غلطی سرزد ہو بھی گئی ہی تو کیا ایک راجہ کے لیے یہ زیبا ہی کہ وہ اپنے دھرم کو بھول جائے۔

راجہ۔ مگر اس بے بنیاد قیاس کا ثبوت کیا ہی؟

شارنگرو (غصّہ سے)۔ دولت کا نشہ نیت کو ڈانواں ڈول کر دیتا ہی۔

راجہ۔ میں اِس توہین کو برداشت نہیں کر سکتا۔

گوتمی (شکنتلا سے) بیٹی، پل بھر کے لیے لاج شرم چھوڑ دو۔ لاؤ، میں گھونگھٹ ہٹا دوں تو شاید تمھارا دولھا پہچان جائے۔

راجہ (شکنتلا کو دیکھ کر۔ خود)۔ اس کا حسن ابھی نو بہار ہی۔ لیکن یہ بیاہی ہی یا کنواری، یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہی۔ اس دبدھا کے

کارن نہ اسے قبولا جاتا ہی اور نہ چھوڑا جاتا ہی۔ میری حالت
اُس بھونرے کی سی ہی، صبح سویرے کنول کے دل کے اندر
اوس کی بوند دیکھ کر جس سے نہ بیٹھتے بنتا ہی اور نہ بھاگا جاتا ہی۔
(سوچ میں پڑ جاتا ہی)۔

چوب دار (خود)۔ ہوں، سرکار نے دھرم کی تیغ خوب نکالی۔ گھر بیٹھے ایسی پری آنے تو پھر کون ہچر مچر کرتا ہی۔

شارنگرو۔ راجہ صاحب، آپ نے چُپّی کیوں سادھ لی ؟

راجہ۔ صاحبو، میں بار بار غور کرتا ہوں لیکن ذرا یاد نہیں پڑتا کہ میں نے اس سے کبھی لگن لگایا تھا۔ پھر اس حالت میں کہ وہ حمل سے ہی، میں اسے کیسے اپنا لوں۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کرے گا کہ پرائی عورت کو گھر ڈال لیا۔

شکنتلا (خود)۔ ہائے ری قسمت! انھیں تو بیاہ سے ہی ایک سرے سے انکار ہی۔ آہ، میری تمنّاؤں کا طلسم ٹوٹ گیا۔

شارنگرو۔ ایسا نہ کہیے، راجہ صاحب۔
آپ کو یہی زیبا ہی کہ اُس رشی کو اس طرح ذلیل کیجیے جس کی بیٹی کو چھل کر آپ نے لاج بگاڑی گر وہ دل پر ملال نہ لایا اور آپ کے بیاہ کو مان گیا۔ ایک اپنے کو دیکھو اور ایک اس کی بھلمنساہت کو کہ جس کا مال چرایا اب وہی یہ مال چور کے پاس اس لیے بھیج رہا ہی کہ وہ ساو کہلائے۔

شاردوت۔ بھائی جان، تم اب چُپ کرو۔
شکنتلا، ہمیں جو کہنا تھا کہہ چکے۔ راجہ کا جواب بھی تم نے

سُن لیا۔اب تم خود اس پر اپنی سچائی ثابت کرو۔

شکنتلا (خود) ارے، اس محبّت کی یاد دلانے سے کیا حاصل جس کا انجام یہ ہونا تھا۔ مگر اپنے کو رسوائی سے بچانے کے لیے کچھ کہنا ہی پڑے گا۔

(بآواز) میرے سوامی۔ (کہتے کہتے رک کر) جب شادی ہی سے انکار ہو تو یوں پکارنا ٹھیک نہیں۔

راجہ صاحب، آشرم میں جھوٹے وعدے وعید کرکے جس بھولی بھالی کو آپ ایک بار دھوکا دے چکے ہیں، اُسے اِس بے دردی سے ٹھکرانے کا ہیاؤ آپ نہ کریں گے تو کون کرے گا!

راجہ (کان پر ہاتھ رکھ کر)۔ توبہ کر لڑکی، توبہ کر۔اپنے گھرانے کو رُسوا کیا سو کیا، مجھ غریب کو بھی اپنے ساتھ لپیٹے میں کیوں لیتی ہے۔ تیری مثال تو اس ندی کی ہے جو اپنے کنارے کو کاٹنے گئی تھی پیڑوں کو گرایا سو الگ اپنے پانی کو بھی گندلا کر آئی۔

شکنتلا۔ اگر آپ سچ مچ پرائی عورت سمجھ کر ہی مجھ سے یہ برتاؤ کر رہے ہیں تو میں نشانی کی انگوٹھی دکھا کر ابھی سب بھرم دور کیے دیتی ہوں۔

راجہ۔ بیشک مجھے یہ منظور ہے۔

شکنتلا (انگلی دیکھ کر)۔ارے غضب! ہائے! میری مُندری کہاں گر پڑی؟

گوتمی۔ جب تم پہنچی تیرتھ کے پاس گنگاجی میں کھڑی پوجا کر رہی تھیں، تبھی تمھارا چھلّا گر پڑا ہوگا۔

راجہ (ہنس کر)۔کون کہتا ہو کہ عورتیں حاضر جواب نہیں ہوتیں۔
شکنتلا۔ ارے، یہ تو قسمت کی بات ہو، لیکن میں ایک واقعہ کی یاد دلا سکتی ہوں۔
راجہ۔ خوب!! دیکھنے کا جُگ بیت گیا، اب سننے کی باری ہو۔
شکنتلا۔ایک دن بیدوں کے کنج میں، کنول پنکھڑیوں کے دونے میں رکھا ہؤا پانی آپ نے چلّو میں انڈیلا۔
راجہ۔ جی، پھر کیا ہؤا؟
شکنتلا اِسی سمے، میرا منہ بولا بیٹا ہرن کا وہ چھونا وہاں آگیا۔آپ نے ترس کھاکر یہ کہتے ہوئے پانی اُس کی طرف بڑھایا کہ اُسے پہلے پی لینے دو، لیکن آپ کو اجنبی جان کر وہ پاس آتے گھبرایا پھروہی پانی جب میں نے اپنے ہاتھ سے بڑھایا، تو وہ پی گیا۔ اس سے جل کر آپ نے طعنہ دیا ـــ ’سب اپنے بھائی بندوں پر بھروسا کرتے ہیں، آخر تم دونوں جنگلی جو ٹھیرے‘۔
راجہ۔ ان غمزوں کا جادو کسی دل پھینک پر آسانی سے چل سکتا ہو۔ مطلب سادھنے کا یہ ڈھب اچھا ہو۔
گوتمی۔ مہاراج، ایسی بات منہ سے نہ نکالیے۔ یہ آشرم میں پلی بڑھی ہو، فن فریب کو کیا جانے۔
راجہ۔ بڑی بی، انسانوں کا تو کہنا ہی کیا۔حیوان مادائوں میں بھی بے سکھائے پڑھائے یہ وصف پایا جاتا ہو۔ پھر ان کا ذکر ہی کیا جنھیں شعور ہوتا ہو۔کویل کو دیکھیے کس چالاکی سے اپنے بچّوں کی پرورش کوّوں سے کراتی ہو۔

شکنتلا (غصّہ کے مارے تھر تھراتی ہوئی) کمینے کہیں کے! ساری دنیا کو تو اپنے جیسا سمجھتا ہو؟ کیا جانتی تھی کہ دھرم کے اس بھیس کے نیچے چھل کپٹ، گھاس پھوس سے ڈھکے ہوئے اندھے کنوئیں کی طرح چھُپا ہؤا ہو۔ پھر بھلا کون تیرا بھید پا سکتا ہو۔

راجہ (خود) اس عورت کا غصّہ بناوٹی نہیں ہو۔ لیکن اس کا کارن بس اتنا ہو کہ بن باسی بناوٹ کو کیا جانیں۔ وہ کن انکھیوں سے نہیں دیکھتی، آنکھوں میں لہو اُتر آیا ہو۔ کس درشت پیرایہ میں بول رہی ہو اور زبان ہو کہ رکنے کا نام نہیں لیتی۔ گلاب کی پنکھڑی کے سے اونٹھ یوں کانپ رہے ہیں جیسے جاڑے کے مارے کٹ گئے ہوں۔ اور بھنوّیں جو پہلے سے خم دار تھیں اب اور بھی ٹیڑھی ہوگئی ہیں۔ اس کے غصّے نے، جس کے حقیقی ہونے میں کوئی شک نہیں، میری سمجھ بوجھ کو بھی چکرّ میں ڈال دیا ہو۔

جب مجھے اس کے ساتھ بیاہ ہونے کی سدھ نہ آئی اور میں برابر یہی کہتا رہا کہ ہم میں تم میں کبھی پیت بیوہار نہیں ہؤا تو غصّہ کے مارے اس کی آنکھیں اس طرح چڑھ گئیں گویا ابرو کو لچاکر کام دیو کی کمان کو ابھی توڑ دیں گی۔

(بآواز)۔ دیوی، دُشینت کی طبیعت سے سارا زمانہ واقف ہو۔ ایسی حرکت ہماری رعایا میں بھی نہ کسی نے دیکھی نہ سُنی۔

شکنتلا۔ زمانے کی خوبی دیکھو کہ منہ درمنہ مجھے آوارہ بتایا جا رہا ہو۔ پرو کے بنس کی شرافت پر بھروسہ کرکے مجھ نصیب جلی نے اس مارآستین کو سب کچھ سونپ دیا۔ کیا جانتی تھی کہ اس کی زبان پر شہد ہو

لیکن دل میں ہلاہل بھرا ہوا ہے۔ (منہ ڈھنک کر رونے لگتی ہے)

شارنگرو۔ سُن لو کہ نفس کو بے لگام چھوڑو گے تو انجام کار یوں ہی جلو گے۔ جب تک ایک دوسرے کو اچھی طرح جانچ پرکھ نہ لو، کسی سے دل نہ لگاؤ۔ بِنا جانے بوجھے پریم کروگے تو ایک نہ ایک دن ناامیدی کا منہ دیکھو گے۔

راجہ۔ ایک لڑکی کی بات پر ایسا اٹل ایمان کہ ساری تہمت میرے سر منڈھی جا رہی ہے۔

شارنگرو۔ سُن لیا بڑے لوگوں کا بڑ بول! جس نے جنم دن سے آج تک فریب کا نام نہیں سُنا اس کا بیان سفید جھوٹ! اور جو دھوکہ دھڑی کو عِلم سمجھ کر سیکھتے ہیں ان کی بات پتھر کی لکیر!

راجہ۔ خیر یہی سہی۔ آپ سچّے، میں جھوٹا۔ لیکن یہ تو کہیے کہ اس سے گھات کرکے مجھے ملے گا کیا۔

شارنگرو۔ جہنّم کی آگ!

راجہ۔ کون باور کر سکتا ہے کہ پُرو کی اولاد جان بوجھ کر جہنّم کی طرف جائے گی۔

شاردوت۔ (راجہ سے مخاطب ہوکر)۔ جو بھی ہو، یہ آپ کی جورو ہے۔ آپ جانیے آپ کا کام جانے۔ رکھیے یا چھوڑ دیجیے، بیوی پر شوہر کو ہر قسم کا اختیار ہے۔

(شارنگرو سے)۔ بھائی جان اِس حجّت سے کیا حاصل؟ ہم نے گرو جی کا کہا پورا کردیا، اب واپس چلنا چاہیے۔ گوتمی ماتا آپ آگے ہولیں۔ (سب جانے لگتے ہیں)۔

شکنتلا (چیخ کر)۔ یہ کیا؟ اس کپٹی نے مجھے تج دیا اور اب تم بھی مجھے ٹھکرا رہے ہو۔

گوتمی (رک کر)۔ بیٹا شارنگرو، شکنتلا پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی ہمارے پیچھے دوڑ رہی ہے۔ جس بدنصیب کو اس کا شوہر اس بے دردی سے ٹھکرا دے، وہ کرے بھی کیا۔

شارنگرو (لوٹ کر، غصّہ سے)۔ کیوں ری بے حیا، تو اتنی سرکش ہو چلی۔
(شکنتلا ڈر کے مارے کانپنے لگتی ہے)۔

شارنگرو۔ اگر راجہ سچ کہتا ہے تو تیرے باپ کو تجھ سے اب کیا واسطہ! تو نے خود خاندان کے بندھنوں کو توڑا ہے۔ اور اگر تو سچی ہے تو تیرا دھرم ہے کہ شوہر لونڈی بناکر رکھے تب بھی اس کے قدموں میں پڑی رہ۔

راجہ سادھو مہاراج، آپ اس بیچاری کو کیوں چکمہ دیتے ہیں۔ چاند صرف جل سوسن کی منہ بند کلی کو کھلاتا ہے اور سورج فقط کنول کے دل کی کنڈی ہلاتا ہے۔ اسی طرح دین دار کبھی پرائی عورت کی طرف آنکھ اٹھاکر نہیں دیکھتے۔

شارنگرو۔ مگر آپ جیسوں کو دھرم ادھرم کا کیا ڈر۔ آج کوئی نئی نویلی مل گئی تو آپ کو پچھلی باتوں کی سدھ کب رہ جاتی ہے؟

راجہ (اپنے پجاری سے)۔ پنڈت جی، اب تمھیں اس گتھی کو سلجھاؤ۔ جانے، یہ عورت جھوٹ بولتی ہے یا میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اب تو میں اسی الجھن میں ہوں۔ پرائی عورت کو چھونے کا پاپ لوں یا اپنی بیوی کو گھر باہر کر دوں۔

پجاری (سوچ بچار کر)۔ مہاراج، ایک کام کیجیے۔

راجہ۔ فرمائیے فرمائیے۔

پجاری۔ زچگی تک اس خاتون کو میرے گھر رہنے دیجیے۔

راجہ۔ اس سے کیا ہوگا؟

پجاری۔ بڑے بڑے رشی منیوں نے پیشین گوئی کی ہو کہ آپ کی پہلی اولاد ایک لڑکا ہوگا جو دنیا پر راج کرے گا۔ اگر اس رشی کماری نے بیٹا جنا اور اس میں وہ سب لچھن ہوئے تو آپ اسے رانی بنائیں۔ نہیں تو اسے تپ بن بھجوا دیں۔

راجہ۔ آپ کی مرضی ہو تو یہی کیجیے۔

پجاری۔ بیٹی، میرے ساتھ آؤ۔

شکنتلا۔ دھرتی ماتا، تیری گود میں بھی میرے لیے جگہ نہیں ہو؟ تو مجھے نگل کیوں نہیں جاتی؟

(روتی ہوئی پجاری کے ساتھ جاتی ہو۔ اور سب بھی چلے جاتے ہیں۔ اکیلا راجہ اس قصے پر غور کرتے ہوئے رہ جاتا ہو، بد دعا کی وجہ سے وہ سب کچھ بھولا ہوا ہو)

(پس پردہ)۔ کتنی عجیب بات ہو! معجزہ ہو معجزہ!

(پجاری بھاگا ہوا آتا ہو۔ حیرت کے مارے مبہوت ہو)

مہاراج، اتنی عجیب بات ہوئی۔

راجہ۔ کیا ہوا بھئی؟

پجاری۔ جب کنو کے چیلے چل دیے تو وہ لڑکی اپنا سر پیٹنے لگی۔ اور سینہ کوٹنے لگی۔

راجہ۔ ہاں، تو پھر؟

پجاری۔ اسی وقت ایک جوت عورت کے روپ میں اوپر سے اُتری اور اسے گود میں اٹھاکر 'اپسرا تیرتھ'، کی طرف اُڑ گئی۔

(سب بھونچکّے سے رہ جاتے ہیں)۔

راجہ۔ پنڈت جی، ہم نے تو پہلے ہی اسے اپنانے سے انکار کردیا تھا پھر آپ کیوں ہک دھک ہوئے جاتے ہیں۔ جائیے، اپنا کام کیجیے۔

پجاری (دیکھتے کا دیکھتا رہ جاتا ہے)۔ بہت اچھا سرکار۔ (جاتا ہے)۔

راجہ۔ ویتروتی، میرا دل گھبرانے لگا۔ مجھے خواب گاہ تو لے چلنا۔

عرض بیگن۔ حضور ادھر تشریف لائیں۔

راجہ۔ (چلتے چلتے۔ خود)۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ اس دوشیزہ سے کبھی میں نے دل لگایا تھا۔ لیکن میرا دُکھتا ہوا دل کہتا ہے کہ نہیں وہ سچّی تھی۔

ڈراپ

چھٹا ایکٹ

شہر کی ایک گلی

تمہیدی منظر

[کوتوال۔ جو راجہ کا سالا ہوتا ہو۔ اور دو پیادے، ایک شخص کو باندھ کر لاتے ہیں]

پیادہ (قیدی کو پیٹتے ہوئے)۔ ابے چور! بتلا تو سہی، یہ انگوٹھی تیرے ہاتھ کیسے لگی۔ ایسی جڑاؤ انگوٹھی! اور اس پر تو راجہ کا نام کھدا ہوا ہے۔

قیدی۔ مجھ پر رحم کھاؤ۔ میں چوری کیوں کرنے لگا۔

پیادہ۔ اخّاہ! گویا آپ ایسے ہی مہاتما ہیں کہ راجہ نے یہ انگوٹھی آپ کی نذر کر دی!

قیدی۔ بابا، میری بھی تو سنو۔ میں شچی تیرتھ کا دھینور ہوں۔

پیادہ۔ بدمعاش کہیں کے! ہم تیری ذات پات پوچھتے ہیں؟

کوتوال یارو، اسے بھی تو کچھ کہنے دو، بیچ میں نہ ٹوکو۔

دونوں پیادے۔ کوتوال صاحب جو کہتے ہیں وہی کر بے۔

قیدی۔ جال اور بنسی سے مچھلی پکڑ کر میں روٹیاں کماتا ہوں۔

کوتوال (ہنس کر)۔ کتنا شریف پیشہ ہے!

قیدی۔ سرکار یہ نہ کہیے۔ بھلا ہو یا بُرا، مگر کسی کے دھندے کو سمجھنا اچھا نہیں۔ بے زبان جانوروں کا قتل ظلم ہے، مگر وید پڑھنے والے برہمن قربانی کے لیے اُنھیں مارتے ہی ہیں۔

کوتوال۔ پھر لن ترانی ہانکنے لگا۔ کام کی بات کر۔

قیدی۔ ایک دن میں روہو مچھلی کا پیٹ چیر رہا تھا کہ اس میں سے ہیرا جڑی انگوٹھی نکلی۔ میں اسے بیچنے کے لیے بازار لے گیا کہ آپ لوگوں نے دھر لیا۔

میں نے سچ سچ کہہ دیا۔ اب جی چاہے تو مارو، جی چاہے تو چھوڑو۔

کوتوال۔ بھئی پیادو، اس کے بدن سے مچھلی کی بو تو آتی ہے۔ اس کے دھینور ہونے میں تو شک نہیں۔ مگر انگوٹھی کے معاملے کی جانچ پوری طرح ہونی چاہیے۔ چلو اسے سرکار میں لے چلیں۔

پیادے۔ بہت خوب! چل بے گرہ کٹ، چل!

(سب چلتے ہیں)

کوتوال۔ تم دونوں شہر دروازے کے سامنے اس کی چوکسی کرتے رہو۔ میں ابھی مہاراج کو انگوٹھی ملنے کی تفصیل سُنا کر اور ان کا فرمان لے کر آتا ہوں۔

(کوتوال جاتا ہے)۔

پیادے۔ جاؤ جاؤ۔ بھونتی کی چاپلوسی کرو۔

پہلا (کچھ دیر بعد)۔ یار، سالے نے تو دیر لگا دی۔

دوسرا۔ راجاؤں سے وقت پر ہی ملاقات ہوتی ہے۔

پہلا۔ رہ رہ کر جی چاہتا ہے کہ اسے الوداعی پھول مالا پہنا دوں [1]

قیدی۔ واہ جی واہ! خواہ مخواہ کسی کی جان لوگے۔

پیادہ (جھانک کر)۔ لو، کوتوال صاحب ہاتھ میں راجہ کا فرمان لیے ادھر ہی آرہے ہیں۔

ابے چور، دیکھنا ہے کہ تو کتوں کا ناشتہ بنتا ہے یا چیل کوؤں کا کھاجا۔

کوتوال (داخل ہوکر)۔ اس دھینور کو فوراً رہا کرو، اس کا بیان صحیح نکلا۔

پیادے۔ جو حکم سرکار۔

بچو، موت کے منہ سے نکل آئے (بندھن کھول دیتے ہیں)

دھینور (کوتوال کے پیروں پر گر کر)۔ پربھو جی، آج کی روزی ماری گئی۔

کوتوال۔ یہ لے۔ سرکار نے اس انگوٹھی کا مول تجھے انعام میں دیا ہے۔

قیدی (دام لے کر، پیر چھوتے ہوئے)۔ اجی، میں تو نہال ہوگیا۔

پیادہ۔ اس بیش بہا انعام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگوٹھی بڑی انمول ہوگی۔

کوتوال۔ میرا خیال ہے کہ انگوٹھی اپنے جواہرات کے سبب سے مہاراج کو عزیز نہ تھی بلکہ اسے دیکھ کر انھیں کسی پیارے کا دھیان آیا۔ حالانکہ ان کی طبیعت میں بلا کی سنجیدگی ہے، مگر اسے دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے وہ کھو سے گئے۔

پیادہ۔ یہ کیوں نہ کہیں کہ کوتوال صاحب نے آج ان کا بہت بڑا کام کیا۔

---

[1] زمانۂ قدیم میں یہ رسم تھی کہ پھانسی سے پہلے مجرم کو پھولوں کے ہار پہنا کر رخصت کیا جاتا تھا۔ مترجم۔

دوسرا۔ میاں، جو کہو، کام تو اس دھینور کا بنا۔

(اسے حسد سے دیکھتا ہے)۔

دھینور۔ بھائی صاحب، کڑھتے کیوں ہو۔ ان روپیوں میں سے آدھے لے کر وہ پھول مالا خرید لاؤ۔

دونوں پیادے۔ واہ واہ! ہو لے کوئی ایسا دل دار!

کوتوال۔ بھئی دھینور، آج سے تو ہمارا یار ہے۔ آؤ اس نئی دوستی پر دارو کی مہر لگائیں۔ چلو آؤ، کلال کی دوکان کو!

تمہید ختم

[آسمان پر سانومتی نامی پری اُڑن کھٹولے میں بیٹھی ہوئی نظر آتی ہے]۔

سانومتی۔ اپسرا تیرتھ[1] میں جب تک بھلے مانسوں کے اشنان کی ساعت ہوتی ہے، ہم سب کو باری باری سے حاضری دینی ہوتی ہے۔اب میں نچنت ہوگئی۔ چل کر ذرا اس راجہ کا حال بھی دیکھوں۔ مینکا کے بہناپے کے ناتے شکنتلا کو میرے کلیجہ کا ٹکڑا ہی سمجھو۔ اور مینکا ہی نے بیٹی کے کام کے لیے مجھے بھیجا ہے۔

(چاروں طرف دیکھ کر)۔این، جشن بہار کے زمانہ میں راج محل میں یہ اُداسی کیسی؟ ٹھہرو، اگرچہ مجھے اس کی قدرت بھی ہے کہ گھر بیٹھے سارا بھید جان لوں، مگر سکھی کی منت کا پاس ہے۔ اس لیے جادو کی چدریا اوڑھ کر ان مالنوں میں جابیٹھوں۔ یہ مجھے نہ دیکھ سکیں گی مگر میں ان کے ساتھ رہوں گی۔

(نیچے اُتر آتی ہے)۔

(ایک مالن آموں کی مور کو تکتی ہوئی آتی ہے۔ دوسری اس کے پیچھے ہے)

پہلی۔ اری آم کی مور[2]! تیرا رنگ کچھ ہرا، کچھ پیلا اور کچھ لال ہے۔ تو ہی جانِ بہار ہے، تو ہی حسنِ بہار ہے۔آج تیرا اول دیدار ہے۔ پیاری، تو ہمیں نظر بد سے بچانا اور اس رُت کو برکت دینا۔

---

[1] یہ جگہ ہستنا پور کے قریب تھی۔
[2] ہندی میں "مور" مونث ہے اور معنی کے اعتبار سے میں نے اس لفظ کو یوں ہی استعمال کیا ہے۔

دوسری۔ اے کویل! تو من ہی من میں کیا گنگنا رہی ہے؟
پہلی۔ اری مدھ مکھی! آم کی کلی کو دیکھ کر کویل سدھ بدھ بھول جاتی ہے۔
دوسری (خوشی کے مارے لپک کر) کیا بسنت رُت واقعی آگئی۔
پہلی۔ ہاں ری۔ اب تیرے لیے مدبھرے گیت گانے کے دن آگئے۔
دوسری۔ سکھی! کام دیو کی پوجا کے لیے میں اس پیڑ سے مور کا گچھا
توڑوں گی۔ تنک مجھے سہارا دے کر اوپر اُچکا دے۔
پہلی۔ میں سہارا دوں گی تو پوجا کا آدھا پھل بھی لوں گی۔
دوسری۔ جو تو نہ بھی کہتی تو کیا میں آدھا پھل نہ دیتی۔ ہم دونوں
تو دو تن ایک من ہیں۔
(سکھی کا سہارا لے کر مور توڑتی ہے)۔
آہا! آم کی کلیاں[1] ابھی ہیں تو ادھ کھلی، مگر جس جگہ سے
ٹوٹی ہیں وہاں کیسی سُہانی مہک دے رہی ہیں۔
[اوک بناکر مور چڑھاتی ہے]۔
آم کلی! میں تجھے کام دیو پر چڑھاتی ہوں، جس نے ابھی کمان
اُٹھائی ہے۔ تو اس کے پانچ بانوں میں سب سے پینا بان بن کر
پردیسیوں کی بروگنوں کے دل میں رہا کیجو۔
[اتنے میں حاجب غصہ سے بڑبڑاتا ہوا آتا ہے]۔
حاجب۔ اری چھوکریو، سرکار نے حکم دیا تھا کہ اس سال بہار کا جشن
نہیں منایا جائے گا۔ پھر تم نے آم کی کلیاں کیوں توڑیں؟
مالنیں (ڈر کر)۔ اس بار ہمیں مُعاف کر دیجیے۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ

---

[1] سنسکرت میں "امر کالیکا" یعنی "آم کی کلی" تھا۔ میں نے اسے یوں ہی رہنے دیا ہے۔ مترجم۔

سرکار نے ایسا حکم دیا ہے۔

حاجب۔ اوہو، تمھیں دو لے نہیں سُنا ورنہ چمن کے پیڑ پنچھیوں تک کے کان ہو گئے۔ اسی لیے تو آم کی کلیاں اتنے دنوں سے کھلی ہوئی ہیں مگر ان میں پراگ آنے کا نام نہیں لیتا۔ اسی طرح کرے کا پیڑ کلیا کر رہ گیا، پھولتا نہیں۔ سردی کا موسم بیت گیا مگر کویل کے گلے سے کوک نہیں نکلتی۔ مجھے تو اس کا بھی کھٹکا ہے کہ کام دیو نے اپنا نیم کش تیر دوبارہ ترکش میں نہ ڈال لیا ہو۔

سانومتی (خود) اس میں شک نہیں کہ اس راجہ رشی کو بڑی قدرت حاصل ہے۔

ایک مالن۔ بڑے میاں، کوتوال صاحب نے ابھی اس دن حضور کی خدمت میں ہمیں باریاب کیا۔ یہاں اس پھلواری کی رکھوالی ہمارے سپرد کی گئی۔ اجنبی ہونے کی وجہ سے یہ فرمان ہمارے کانوں تک نہیں پہنچا۔

حاجب۔ اچھا، آیندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔

مالنیں۔ حضرت، اگر ہم جیسوں کو سُنانے میں کوئی ہرج نہ ہو تو بللہ بتائیے کہ بسنت کا جشن کیوں روک دیا گیا۔

سانومتی (خود)۔ انسانوں کو تو جلسہ جلوس کی بڑی چاٹ ہوتی ہے۔ کوئی ایسی ہی بات ہوئی ہوگی جو منع کر دیا۔

حاجب (خود)۔ جب دنیا جہان کو معلوم ہو چکا تو کہنے میں کیا مضائقہ (بآواز)۔ شکنتلا کے تجے جانے کا قصّہ تم نے نہیں سُنا۔

مالنیں۔کوتوال کی زبانی انگوٹھی ملنے تک کا حال سُنا ہو۔
حاجب۔تو کہنے کو باقی ہی کیا رہ گیا۔

سنو، اپنی انگوٹھی دیکھتے ہی مہاراج کو ہوش آیا کہ شکنتلا سے کبھی چھُپ کر بیاہ کیا تھا اور بے سُدھی میں اسے تج دیا۔ اسی گھڑی سے وہ پچھتاوے میں پڑے ہیں۔ اب یہ حال ہو کہ کسی سے ہنسنا بولنا نہیں بھاتا۔ نہ پہلے کی طرح وزیروں کی بھیڑ رہتی ہو۔ راتیں بنا پلک جھپکائے، سیج کی پٹیوں پر کروٹیں بدلتے بیتتی ہیں۔ رانیوں کا دل رکھنے کے لیے کبھی کچھ کہتے ہیں تو غلطی سے ہر بار شکنتلا کا نام منہ سے نکلتا ہو اور شرما کر چُپ ہو جاتے ہیں۔

سانومتی (خود)۔یہ سُن کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔
حاجب۔اسی ماتم کا سبب ہو کہ بسنت کا جشن روک دیا گیا۔
مالنیں۔ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔
(پسِ پردہ)۔حضور، ادھر تشریف لائیں۔
حاجب (کان لگا کر)۔مہاراج ادھر ہی آرہے ہیں۔ جاؤ اپنا کام کرو۔
مالنیں۔جی اچھّا (دونوں جاتی ہیں)

[راجہ ماتمی لباس میں آتا ہو۔ مادھو اور عرض بیگن ساتھ ہیں]

حاجب (راجہ کو دیکھ کر۔خود)۔سچ ہو۔ اچھی صورت والے ہر دھج میں آنکھوں کو بھاتے ہیں۔ ماتمی لباس میں بھی ہمارے مہاراج کی آن بان نرالی ہو۔

سب گہنے اتار پھینکے ہیں، زیب وزینت کا کوئی سامان

باقی نہیں، اکیلا ایک کنگن بائیں ہاتھ میں رہ گیا ہے۔ گرم سانسوں سے اونٹھوں کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہے۔ سوچ میں نیند نہیں آتی، جاگتے ساری رات کٹتی ہے۔ اسی لیے آنکھوں میں لالی چھائی ہوئی ہے۔ مگر تجلّی کا یہ عالم ہے کہ یہ کانٹا سا بدن بھی نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے سان پر چڑھا ہوا ہیرا ہو۔

سانومتی (راجہ کو دیکھ کر۔ خود)۔ اس توہین کے باوجود اگر شکنتلا اس کے فراق میں گھلی جا رہی ہے تو عجب نہیں۔

راجہ (سوچ بچار میں مگن، ٹہلتے ہوتے)۔ جب جان جاں نے دل بدبخت کو جگانے کے لاکھ جتن کیے تو وہ سوتا رہا۔ اب وہ پشیمانی کا غم جھیلنے کو جاگا ہے۔

سانومتی (خود) اُس دکھیا کے بڑے بھاگ ہیں۔

مادھو (خود)۔ ان حضرت پر شکنتلا کا بخار پھر چڑھ آیا۔ ان کے علاج کی کیا تدبیر کی جائے۔

حاجب (پاس آکر)۔ مہاراج کی جے ہو۔

میں پھلواری کو بھلی بھانت دیکھ آیا۔ جس نشاط گاہ میں جی چاہے چل کر آرام فرمائیں۔

راجہ (عرض بیگن سے)۔ جاکر دیوان جی سے کہو کہ دیر تک جاگنے کے کارن مجھ میں آج دربار کرنے کی سکت نہیں ہے۔ پرجا کا جو کچھ کام کاج ہو تو ہمیں لکھ بھیجیں۔

عرض بیگن بہت خوب (باہر جاتی ہے)

راجہ۔ واتاین، تم بھی اپنے کام پر جاؤ۔
حاجب۔ جو حکم سرکار (چلا جاتا ہی)
مادھو۔ چلیے، یہاں بھی جھاڑو پھر گئی۔
اب پھل واری کے اس کنج میں کچھ دیر جی بہلائیے۔ دیکھیے بہار نے اس کی رونق میں چار چاند لگا دیے ہیں۔
راجہ۔ مادھو! کہتے ہیں کہ مصیبت کو آنے کے لیے کوئی بہانہ چاہیے شکنتلا کو تجنے کی یاد کا گھاؤ ابھی ہرا تھا کہ کام دیو اپنی کمان پر آم کلی کا بان چڑھائے نمک پاشی کے لیے آ پہنچا۔
مادھو۔ اجی ٹھہرو۔ ستسرے کام دیو کے تیروں کی خبر اس ڈنڈے سے لیتا ہوں۔
(ڈنڈے سے آم کی مور گرانے کی کوشش کرتا ہی)
راجہ۔ (مسکرا کر) رہنے بھی دو، برہمنوں کا بل دیکھ لیا! یہ کہو کہ ایسی بیلیں کدھر ہیں جنھیں دیکھ کر پیاری کا دھیان آتا ہی، وہیں چل کر آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاؤں۔
مادھو۔ مگر آپ نے اُس لونڈی 'چترکا' کو یہ حکم دے رکھا ہی کہ ہم دن بھر مادھوی کنج میں رہیں گے۔ ہم نے شکنتلا کی جو تصویر بنائی ہی، اُسے وہیں پہنچا جانا۔
راجہ۔ دل کا خفقان بہلانے کو ایک یہی رہ گیا ہی۔ چلو اسی طرف۔
مادھو۔ یہاں آئیے (دونوں چلتے ہیں اور سانومتی پیچھے پیچھے آتی ہی)
مادھو۔ جہاں بلّور کی چوکی بچھی ہوئی ہی وہی مادھوی کنج ہی۔ یہ کنج آپ کی نذر کے لیے اپنی ساری خوش ادائی نچھاور کر رہا ہی۔

آئیے، یہیں بیٹھیں۔

(کنج میں جاکر بیٹھ جاتے ہیں)۔

سانومتی (خود)۔ اس بیل کی اوٹ سے میں شکنتلا کی تصویر دیکھ لوں، پھر چل کر اسے سناؤں کہ پیا اُس پر کتنا ریجھا ہوا ہو۔

(ایک بیل کی اوٹ میں بیٹھ جاتی ہو)۔

راجہ۔ بھائی، اب جاکر مجھے شکنتلا کا سارا قصّہ یاد آیا۔ لیکن میں نے تمھیں بھی تو سب سُنایا تھا۔ حالانکہ تم اُس وقت موجود نہ تھے جب میں نے سرِعام اس کی توہین کی تھی، مگر اب تک تم نے بھول کر بھی اس کا ذکر مجھ سے نہیں کیا۔ کیا میری طرح تم بھی یک سر اُسے بھول گئے تھے؟

مادھو۔ یہ بات نہیں۔ سب کچھ سُنانے کے بعد چلتے چلتے آپ نے ٹیپ کا ایک بند بھی تو جڑ دیا تھا کہ یہ سب مذاق ہو، اسے حقیقت نہ سمجھ بیٹھنا۔ مجھ بدھو نے آپ کی اس بات پر اعتبار کرلیا۔ ہونہار کب ٹلتا ہو۔

سانومتی (خود) ٹھیک کہا۔

راجہ (مایوسی سے)۔ بھائی، مجھے اس کرب سے نجات دِلا۔

مادھو۔ آپ نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہو۔ مصیبت میں کوئی یوں بھی صبر کا دامن چھوڑتا ہو۔ آندھی میں بھی پہاڑ اٹل اور اچل رہتے ہیں۔

راجہ۔ لیکن کیا کروں۔ جب میں نے اُسے دھتکار دیا تو اس کی حالت ایسی زار تھی کہ یاد کرکے کلیجہ میں ہوک سی اٹھتی ہو۔

جب میں نے کہہ دیا کہ تجھے نہیں پہچانتا تو وہ اپنے سنگیوں کے پیچھے بھاگی۔ مگر ان میں سے ایک چیلے نے، جسے وہ اپنا بڑا مانتی تھی، گھڑک کر کہا کہ تجھے یہیں رہنا ہوگا۔ اس وقت اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے مجھ پر جو نظر ڈالی تھی، وہی نظر اب مجھ بے درد کو بس میں بجھے ہوئے بان کی طرح جلائے ڈالتی ہے۔

سانومتی (خود)۔ اپنی غرض بھی کتنی پیاری ہوتی ہے! اس کے دُکھ کو دیکھ دیکھ کر میرا دل کھلا جا رہا ہے۔

مادھو۔ میری سمجھ میں یہی آتا ہے کہ اُسے کوئی دیوتا اُٹھا لے گیا۔

راجہ۔ ایسی ستی کو چھونے کی مجال کسے ہو سکتی تھی؟ میں نے سُنا ہے کہ اس کی ماں مینکا نامی پری ہے۔ ہو نہ ہو اسی کی سہیلیاں اُٹھا لے گئیں۔

سانومتی (خود)۔ حیرت اس وقت ہوتی ہے جب کسی کا ہوش جاتا ہے۔ ہوش آنے پر کیا حیرت؟

مادھو۔ اگر ایسی بات ہے تو اس کے ملنے میں دیر نہیں۔

راجہ۔ یہ کیسے جانا۔

مادھو۔ ظاہر ہے کہ ماں باپ اپنی بیٹی کو اس کے دولھا سے زیادہ دنوں الگ نہیں دیکھ سکتے۔

راجہ۔ ہائے، شکنتلا کے ساتھ میرا ملاپ کوئی سپنا تھا؟ وہ سراب تھا یا مایا کا کھیل تھا؟ یہ نہیں، تو کیا میرے پُن کا پھل تھا، جو دم بھر کے لیے جھلک دکھا کر اوجھل ہو گیا؟ جو بھی ہو وہ شکھ پھر نہ لوٹے گا۔ میری تمنّا ایسے اگم میں جا پڑی جس کا کوئی اور

چھور نہیں ہے۔

مادھو۔ یہ نہ کہیے۔ یہ انگوٹھی ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ کھوئی ہوئی چیز مل بھی جایا کرتی ہے۔ بھگوان کی لیلا کو کوئی کیا سمجھے۔ مدّت کے بچھڑے ہوتے یک بیک مل جایا کرتے ہیں۔

راجہ (انگوٹھی کو دیکھ کر، ہاتے، یہ انگوٹھی بھی کتنی بد نصیب ہے۔ یہ اس مقام سے جاگری ہے جہاں دوبارہ پہنچنا اس کے لیے ناممکن ہے۔ اری مندری! تیرے انجام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تو بھی میری طرح بھاگ کی کھوٹی ہے، کیونکہ ان حنائی انگلیوں تک ایک بار پہنچ کر تو پھر نیچے گر پڑی۔

سانومتی (خود) اس انگوٹھی کے نصیب تبھی پھوٹتے جب وہ کسی اور کی انگلی میں ہوتی۔

مادھو۔ آپ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ انگوٹھی شکنتلا تک کس طریقے سے پہنچی۔

سانومتی (خود)۔ میں خود بھی یہ معلوم کرنا چاہتی تھی۔

راجہ۔ جب میں تپ بن سے راجدہانی کو لوٹنے لگا تو میرے محبوب نے آنکھوں میں آنسو لاکر پوچھا کہ ساجن، پھر کب سدھ لوگے؟

مادھو۔ ہاں، تب؟

راجہ۔ اس کے جواب میں یہ انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا کر میں نے کہا کہ اس میں جتنے اچھر ہیں انھیں تم ہر روز ایک ایک کرکے گنا کرنا۔ جس دن وہ ختم ہوجائیں تو سمجھ لینا کہ آج نیہر سے کوئی لینے آتے گا۔

لیکن، ہائے مجھ بزدلی کو اس کی سدھ ہی نہ رہی۔

سانومتی (خود)- سنجوگ کا کیسا پیارا ڈھنگ نکالا تھا۔ مگر قسمت نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔

مادھو- خبر نہیں، یہ انگوٹھی مچھلی کے پیٹ میں کیسے پہنچ گئی۔

راجہ- جب شکنتلا نے شچی تیرتھ میں پوجا کے لیے ہاتھ میں پانی لیا تو یہ گنگاجی میں گر پڑی ہوگی۔

سانومتی (خود)- اخاہ، تبھی تو پاپ کے ڈر سے یہ بیچارا بیاہ کے بارے میں دبدھا میں پڑ گیا۔

مگر ایسا تھا تو انگوٹھی دیکھتے ہی وہ اُس کے پریم میں باؤلا کیوں ہوگیا۔

راجہ- اِسی لیے میں اس انگوٹھی کی خوب ملامت کروں گا۔

مادھو (خود)- لو، یہ تو مجنونوں کی سی باتیں کرنے لگا۔

راجہ- اری مندری! ان نازک نازک انگلیوں سے جدا ہو کر پانی میں گرنے کی ہمت تجھے کیسے ہوئی؟ لیکن یہ تو ایک بےجان شی ہے۔ مجھے دیکھو کہ ہوش وحواس رکھتے ہوئے اُسے تج دیا۔

مادھو۔ (خود)- یہ حضرت اپنے دھیان میں مگن ہیں۔ یہاں بھوک مجھے کھائے جارہی ہے۔

راجہ- پران پیاری! میں نے بلا وجہ تجھے تج دیا۔ مگر اب میرا دل پچھتاوے کے مارے ٹوک ٹوک ہوتا جارہا ہے۔ مجھ پر رحم کھا اور ایک بار پھر اپنی چھب دکھا۔

(چترکا نامی باندی تصویر لیے آتی ہے)

باندی۔ مہارانی کی تصویر حاضر ہی۔ (تصویر دکھاتی ہی)

مادھو (غور سے دیکھ کر)۔ اس تصویر کے کیا کہنے ہیں! ایسا بانکا قلم پھیرا ہی کہ مورت آنکھوں کے آگے آجاتی ہی۔ میری نگاہ تو بہن کے کندن سے گات میں کھوئی سی جاتی ہی۔ زیادہ کیا کہوں۔ بس یہ لگتا ہی کہ وہ جیتی جاگتی سامنے کھڑی ہیں اور بات کرنے کو جی چاہتا ہی۔

سانومتی (خود)۔ آفرین ہی راجہ کے کمال پر! مجھے خود گمان ہو چلا تھا کہ سکھی شکنتلا سامنے کھڑی ہوتی ہی۔

راجہ۔ چتیروں کی ریت ہی کہ جو چیز تصویر میں بیان نہ ہو سکے اس کا اظہار دوسرے طریقے سے کر دیتے ہیں۔ میں نے بھی اس میں یہی کیا ہی۔ تاہم اس کے روپ کی چھب شاید کچھ کچھ ان لکیروں میں جھلک آئی ہی۔

سانومتی (خود)۔ یہ انکسار اس کی سچی محبّت پر دلالت کرتا ہی۔

مادھو۔ اماں، اس میں تو تین تین حسینوں کا جھمگڑا ہی۔ ان میں بہن شکنتلا کون سی ہی!

سانومتی (خود)۔ جب اس نے اُس پیکرِ حسن کو نہیں دیکھا تو اسے آنکھ کا اندھا ہی سمجھنا چاہیے۔

راجہ۔ مادھو، یہ تو تمھیں ہی بوجھنا ہوگا۔

مادھو (غور سے دیکھ کر)۔ میری دانست میں شکنتلا تو وہی ہوگی جو اس آم کے پیڑ کا سہارا لیے کھڑی ہی جس کی نئی کونپلیں سنچائی کے کارن جگمگ جگمگ کر رہی ہیں۔ اس کا جوڑا ڈھیلا ہو گیا ہی

تو بالوں میں گھنے ہوئے پھول نیچے ڈھلک رہے ہیں اور وہ تھکن کے مارے کچھ نڈھال بھی ہوگئی ہو کیونکہ مکھڑے پر پسینے کی بوندیں ٹپک رہی ہیں اور بانہیں بالکل ڈھل گئی ہیں۔

اس کے آزو بازو دونوں سکھیاں ہیں۔

راجہ۔ میں تمہاری چترائی کا قائل ہوگیا۔لیکن اس میں تم نے میرے جذبات کا اثر نہیں دکھا؟ دیکھو، تصویر کے کنارے پسیجی ہوئی انگلیوں سے میلے ہوگئے ہیں، اور گال پر جہاں میرے آنسو کی ایک بوند ٹپک پڑی تھی وہاں کا رنگ اُڑ گیا ہو۔

(باندی سے)۔اری چترکا! اس میں کنج کا خاکہ تو ادھورا ہی رہ گیا۔ جانا، کوچی تو اٹھا لانا۔

باندی۔ بہت خوب۔ مادھو جی، جب تک میں آؤں اس چوکھٹے کو تھامے رہنا۔

راجہ۔ نہیں، لاؤ مجھے دو۔

(تصویر اپنے ہاتھ میں لیتا ہی، باندی جاتی ہی)

راجہ۔ جب وہ خود سے میرے پاس آئی تو میں نے بے دردی سے ٹھکرا دیا اور اب اس کی تصویر پر بل بل رہا ہوں۔

بھائی، میری گت وہی ہو کہ کوئی بہتی ہوئی ندی سے اُتر کر سراب کے پیچھے بھاگنے لگے۔

مادھو (خود)۔میری رائے بھی یہی ہی۔

(آواز) کیوں صاحب، اس میں اب کیا بنانا رہ گیا؟

سانومتی (خود)۔میں سمجھتی ہوں کہ اب وہ جگہیں بنائی جائیں گی جو میری

سکھی کو پیاری تھیں۔
راجہ۔ سُنو۔ مالنی ندی کا ایک منظر بنانا ہو جس کی ریتی پر ہنس کے جوڑے
کلیلیں کر رہے ہوں، دونوں طرف ہمالیہ کی پہاڑیاں پھیلی ہوئی
ہوں اور ان پر ہرنوں کے جھنڈ جگالی کر رہے ہوں۔ میں یہ بھی
چاہتا ہوں کہ ایک ایسا پیڑ دکھایا جائے جس کی ڈالیوں پر چھال کے
کپڑے سوکھ رہے ہوں اور نیچے ایک ہرنی اپنی بائیں آنکھ کسی
کالے ہرن کے سینگ سے کھجا رہی ہو۔
مادھو (خود)۔ میری مانیے تو اس تصویر کو ڈاڑھیل جوگیوں سے بھر دیجیے۔
راجہ۔ ہاں، یہاں شکنتلا کا وہ من بھاتا گہنا دکھانا تھا، یہ یاد ہی نہ رہا۔
مادھو۔ کون سا گہنا؟
راجہ۔ جیسا بن کی ناریوں کا ہوتا ہے۔
بھئی، کانوں میں سرس کے پھولوں کا جھومر ہونا چاہیے جس کے
زرتار گالوں کو چوم رہے ہوں اور چھاتی پر کنول نال کی مالا جو
چاند کی کرن کی طرح نازک ہو۔
مادھو۔ ایک بات سمجھ میں نہ آئی۔ اپنے مکھڑے کو لال کمل کے ڈنٹھل
جیسے ہاتھوں سے چھپائے، یوں حیران پریشان کیوں کھڑی ہیں؟
(غور سے دیکھ کر)۔ اوہو، یہ حرام زادہ بھونرا ــــ پھولوں کے
رس کا چور ــــ ان کے گل رُخ پر جھپٹ رہا ہے۔
راجہ۔ اس ڈھیٹ بھونرے کو نکالو۔
مادھو۔ بابا، سرکشوں کی مرمت آپ سے بہتر کون کر سکتا ہے؟
راجہ۔ اس سے کہو کہ تو، تو پھول بیلوں کا مہمان ہے۔ وہاں جا، یہاں ناحق

کیوں منڈلا رہا ہے۔

اری دیوانے! تیری بھونری اُس پھول پر بیٹھی تیرا انتظار کر رہی ہے۔ تیرے بنا اُس سے رس نہیں پیا جاتا۔

ساونتی (خود) کس خوب صورتی سے بھونرے کو تنبیہہ کی ہے۔

مادھو۔ اجی، بھونروں کی ذات کہیں یوں ہٹائے ہٹتی ہے۔

راجہ۔ ارے بھونرے، اگر تو سیدھے سے میرا کہا نہ مانے گا تو پھر سمجھ لے۔ میری جانی کے اونٹھ ایسے نرم ہیں جیسے نئی کونپل۔ اسی لیے ملاپ کی گھڑی میں نے بہت دھیرے دھیرے ان کا رس پیا تھا اگر تو ان اونٹھوں کو چھونے کا جتن کرے گا تو تجھے میں کنول کے دل کے اندر بند کر دوں گا۔[1]

مادھو۔ غضب ہے اگر یہ اتنی سخت سزا سے نہ ڈرے۔

(ہنس کر۔ خود)۔ یہ تو سڑی ہو ہی گیا اور میں بھی اس کی سنگت میں واہی تباہی بکنے لگا۔

(بآواز) بھائی صاحب، یہ تصویر ہے۔ بے جان تصویر!

راجہ۔ ایں کیا کہا؟

ساونتی (خود)۔ واقعی، اس وقت تو میں بھی بھول گئی تھی کہ یہ فقط تصویر ہے۔ پھر جس نے اسے بنایا اسے کیسے سُدھ رہ سکتی تھی؟

راجہ۔ ارے نادان، میں تو اپنی جان جاں کے درشن کا سکھ اٹھا رہا تھا اور میرا من مندر اس کے اُجالے سے منوّر ہو گیا تھا۔ تو نے

---

[1] کہتے ہیں کہ شام کو جب کنول کا منہ بند ہو جاتا ہے تو کبھی کبھی اس پر بیٹھا ہوا بھونرا اندر ہی رہ جاتا ہے اور صبح تک وہیں گرفتار رہتا ہے۔ یہ ہندو شاعری کا ایک مقبول موضوع ہے *

کیوں یاد دلادی کہ یہ تصویر ہی۔ اب تک وہ میرے آگے چل پھر رہی تھی لیکن اب پھر تصویر کے سوا کچھ نہ رہا (رونے لگتا ہی)۔

سانومتی (خود)۔ بِرہ کی کیفیت بھی نرالی ہی کہ ایک آن میں ایک رنگ آتا ہو تو ایک رنگ جاتا ہی۔

راجہ۔ میت، میں گھڑی گھڑی کا یہ دکھ کہاں تک سہوں۔ رات جاگتے بیت جاتی ہی، اس لیے سپنے میں اسے دیکھنے کی آس بھی جاتی رہی۔ اور جب تصویر دیکھتا ہوں تو آنکھوں میں خود بخود آنسو بھر آتے ہیں اور ان کی دھندلاہٹ میں کچھ نظر نہیں آتا۔

سانومتی (خود)۔ یہ آنسو شکنتلا کے دل سے توہین کے صدمے کو دھو دیں گے۔

(باندی لوٹ کر آتی ہی)

باندی۔ سرکار، میں رنگوں کا ڈبّہ لیے اِدھر آرہی تھی۔

راجہ۔ تو کیا ہُوا؟

باندی۔ رانی بسومتی نے اپنی مغلانی کے ساتھ راہ روک کر میرے ہاتھ سے ڈبّہ چھین لیا اور کہا کہ میں خود چل کر مہاراج کو دوں گی۔

مادھو۔ لڑکی، جان بچ گئی اسی کی خیر منا۔

باندی۔ رانی کا پلّو ایک جھاڑی میں اُلجھ گیا اور مغلانی اسے چھڑانے میں لگ گئی، اتنے میں میں چپکے سے نکل بھاگی۔

راجہ۔ بھائی، رانی بسومتی سوتاپے کی ڈاہ میں جلی بھنی آ رہی ہی۔ خدارا اس تصویر کو بچا لے۔

مادھو۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ اپنی جان بچالے۔

(تصویر اٹھاکر)۔ جب رنواس کی بدلی برس کر کھل جائے تو مجھے

'میگھ بھون' سے بلا لینا۔ (بھاگتا ہی)۔

سانومتی (خود)۔کسی اور پر جان دینے کے باوجود یہ اپنی پہلی پیت نباہتا ہی۔
مگر اس رانی سے اسے اب زیادہ لگاؤ نہیں رہا۔

(عرض بیگن ہاتھ میں ایک پرچہ لیے آتی ہی)۔

عرض بیگن۔ مہاراج کی جو ہو۔

راجہ۔ تونے رانی بسومتی کو ادھر آتے تو نہیں دیکھا؟

عرض بیگن۔ سرکار، ملی تو تھیں، لیکن میرے ہاتھ میں ایک عرضی دیکھ کر اُلٹے پانو پھر گئیں۔

راجہ۔ وہ موقع محل پہچانتی ہیں۔ راج کاج میں خلل ڈالنا نہیں چاہتیں۔

عرض بیگن۔ مہاراج! دیوان جی نے بنتی کی ہی کہ خزانہ میں اتنا روپیہ آیا کہ اس کے حساب سے فرصت نہ ملی۔ صرف ایک معاملے کی جانچ ہوسکی جسے تحریر بند کرکے حضور میں گزار رہا ہوں۔

راجہ۔ کیا ہی، دیکھوں تو سہی۔

(عرض بیگن پرچہ دیتی ہی)۔

راجہ (پڑھتے ہوئے)۔ دھن میت نامی سمندر کا بیوپاری ڈوب کر مرگیا۔ وہ لاولد ہی، اس لیے اس کا دھن مال بحق حکومت ضبط ہونا چاہیے۔

(رنجیدہ ہوکر)۔ لاولدیت بھی کتنا اندوہ ناک امر ہی! لیکن اس جگت سیٹھ کی تو کئی بیویاں ہوں گی۔ فیصلے سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ان میں سے کوئی حمل سے تو نہیں ہی۔

عرض بیگن۔ مہاراج! سنا ہی کہ اس کی ایک بیوی اجودھیا کے کسی سیٹھ

کی بیٹی ہی۔ابھی اس کے گھر چھٹی منائی جا رہی تھی۔

راجہ ۔ اس صورت میں دیوان کو جتا دینا چاہیے کہ یہی بچہ اپنے باپ کا وارث ہوگا۔

عرض بیگن۔بہت خوب (جانے لگتی ہی)۔

راجہ ۔ اور سُنو۔

عرض بیگن۔ارشاد ؟

راجہ ۔ اولاد ہونے نہ ہونے سے کیا ہوتا ہی۔نگر میں ڈھنڈورا پیٹ دو کہ پرجا میں پاپیوں کے سوا جس کسی کو بھائی بند کا بجوگ ہو وہ دشینیت کو اس کی جگہ سمجھے۔

عرض بیگن۔حکم کی تعمیل ہوگی۔ اسے سُن کر سب کو ایسی خوشی ہوگی جیسے سوکھے میں برکھا ہونے لگے۔

راجہ ۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر)۔جس گھر میں کوئی دِیا جلانے والا نہ ہو اس کی دولت اسی طرح غیروں کے ہاتھ لگتی ہی۔جب میں نہ ہوں گا تو پُرو گھرانے کی لچھمی کا وہی حال ہوگا جو بنجر کی کھیتی کا ہوتا ہی۔

عرض بیگن۔ بھگوان ہمیں اس دن سے بچائیں۔

راجہ۔ پھٹکار ہو مجھ پر کہ میں نے گھر آئے ہوئے سکھ کو تج دیا۔

سانومتی (خود)۔میری سکھی کی یاد کرکے یہ اپنے پر لعنت ملامت کر رہا ہی۔

راجہ۔ بیوی ہی گھرانے کی لاج ہوتی ہی، اور پھر وہ تو میری اولاد کو جنم دینے والی تھی۔ میں نے اُسے اسی طرح نکال دیا جیسے فصل آنے کے موسم میں کسان اپنی بوئی ہوئی کھیتی کو چھوڑ دے۔

سانومتی (خود)۔ ارے ناوان! تیرا بنس تو رہتی دنیا تک رہے گا۔
باندی (عرض بیگن سے)۔ لوج! اس مردار سیٹھ کا قصہ سُن کر سرکار
کیسے ہراساں ہو گئے۔ جاؤ، میگھ بھون سے مادھو کو بُلا لاؤ۔
وہی انھیں سنبھال سکتا ہے۔
عرض بیگن۔ ٹھیک کہتی ہو۔ (جاتی ہے)
راجہ۔ لعنت ہے مجھ پر! میرے پرکھوں کی آتما پر کیا بیت رہی ہوگی
وہ سوچتے ہوں گے کہ دشینت کے بعد ہم پر کون فاتحہ پڑھے گا۔ اور
اب بھی میرے دیے ہوئے پانی کو رو رو کر پیتے ہوں گے۔
(شدت غم سے بیہوش ہو جاتا ہے)۔
باندی (گرتے ہوئے کو تھام کر)۔ حضور، یہ کیا! ہوش میں آئیے۔
سانومتی (خود)۔ ہائے۔ اس گھڑی اس کی وہی حالت ہے جیسے سامنے رکھے
ہوئے دیوٹ پر پردہ پڑنے سے کسی کو اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی
دیتا ہے۔ میں تو ابھی اس کا دکھ دور کر دیتی، مگر کیا کروں۔ اندر
بھگوان کی ماتا کو شکنتلا کو یہ سمجھاتے سُن چکی ہوں کہ دیوتا ایسا
جتن کر رہے ہیں جس سے تیرا دولھا تھوڑے دنوں میں خود ہی
تیری زندگی اُجالنے آئے گا۔ اس لیے جب تک وہ نیک ساعت
نہ آئے مجھے کچھ نہ کرنا چاہیے۔ ہاں، اتنا تو کروں گی کہ اپنی
پیاری سکھی کو یہ ساری داستان سناؤں تاکہ اسے کچھ دھیرج بندھے
(ناچتی ہوئی چلی جاتی ہے)۔
(پس پردہ)۔ خون! خون! دوڑو، بچاؤ!
راجہ (ہوش میں آکر)۔ ایں! یہ تو مادھو کی سی چیخ ہے! ارے کوئی ہے؟

(عرض بیگن گھبرائی ہوئی آتی ہے)

عرض بیگن۔ حضور، اپنے دوست کو مصیبت سے بچائیے۔

راجہ۔ کیوں، کیا کوئی اسے ستا رہا ہے؟

عرض بیگن۔ مہاراج! جانے وہ موا بھوت ہے یا پریت ہے کہ کسی کو نظر نہیں آتا۔ اس نے مادھو کو مشکیں کس کر میگھ بھون کی منڈیر پر ڈال دیا ہے۔

راجہ (اُٹھ کر)۔ کیا کہا؟ میرے محلوں میں بھوت پریت بھی آنے لگے (رک کر)۔ مگر حیرت کیا۔ جب انجانے میں میں آئے دن پاپ کرتا ہوں اور خود اپنے کیے کو نہیں جانتا تو یہ کیسے معلوم کر سکتا ہوں کہ پرجا میں کون کس راہ پر چلتا ہے۔

(پس پردہ) ارے میت، کہاں گیا؟ دوڑ بھائی۔

راجہ (لپکتا ہوا)۔ بھائی، گھبراؤ نہیں، میں آیا۔

(پس پردہ)۔ گھبراؤں کیسے نہیں۔ کوئی میری گردن کو گنّے کی پور کی طرح مروڑے ڈالتا ہے۔

راجہ (اِدھر اُدھر دیکھ کر)۔ کوئی میرا تیر کمان تو لانا۔

بھیلن (تیر کمان دے کر)۔ مہاراج! لیجیے دست پوش اور کمان۔

(راجہ انھیں لے لیتا ہے)۔

(پس پردہ)۔ میں تیرے لہو کا پیاسا ہوں، جیسے شیر تڑپتے ہوئے شکار کو مارتا ہے ویسے ہی میں تجھے کھاؤں گا۔ اب بتا۔ دکھیوں کا رکھوالا، دشینت جو بڑا تیرانداز بنتا ہے، کہاں ہے؟ بچائے نا تجھے آکر!

راجہ (غصّے سے)۔ ایں! یہ تو مجھے چنوتی دینے لگا۔ ابے کفن چور!
ٹھہر، موت تیرے سر پر منڈلا رہی ہے۔
(چلّہ چڑھاکر)۔ کوئی ہے، مجھے راستہ تو دکھانا۔
عرض بیگن۔ راستہ یہ ہے مہاراج۔

(دونوں تیزی سے چلتے ہیں)۔

راجہ (چاروں طرف دیکھ کر)۔ لیکن یہاں تو کوئی نہیں ہے۔
(پس پردہ)۔ للّٰہ مجھے بچاؤ۔ مہاراج، میں تو تمھیں دیکھ رہا ہوں، تم مجھے کیوں نہیں دیکھ سکتے۔ میری حالت بلّی کے پنجوں میں پھنسے ہوئے چوہے کی سی ہے۔
راجہ۔ او جادوگر! میں تجھے نہیں دیکھ سکتا تو کیا ہوا، میرا بان تو تجھے دیکھے گا۔ لے، اب میں بان چڑھاتا ہوں۔ تیرے سینے کو چھیدکر یہ اس برہمن کو صاف اسی طرح بچا لے گا جیسے ہنس پانی میں سے دودھ نکال لاتا ہے۔

(بان چڑھاتا ہے)۔

(مادھو کو چھوڑ کر ماتلی آتا ہے)۔

ماتلی۔ مہاراج! اندر بھگوان نے تو راکشسوں کو آپ کے بانوں کا ہدف مقرر کیا ہے۔ آپ انھیں پر بان چھوڑیں۔ اپنوں پر رحمت کی بارش ہونی چاہیے نہ کہ تیروں کی یورش۔
راجہ (بان اُتار کر)۔ اندر کے رتھ بان! تم یہاں کہاں۔ بھلے پدھارو۔

(مادھو آتا ہے)۔

مادھو۔ ایں، جو مجھے قربانی کے بکرے کی طرح حلال کر رہا تھا، اس کی یہ آؤ بھگت!

ماتلی (مسکراکر)۔مہاراج ! سنیے کہ مجھے اِندر نے آپکی خدمت میں کیوں بھیجا ہی۔

راجہ۔ میں دھیان لگا کر سُن رہا ہوں۔

ماتلی۔ راکشسوں کا ایک گھرانہ ' درجیے' نامی ہی۔

راجہ۔ ہاں، نارد مُنی سے میں اس کا ذکر سُن چکا ہوں۔

ماتلی۔ اندر بھگوان بھی اس کا سر نیچا نہ کر سکے۔ اب اس کام کے لیے انھوں نے آپ کو چُنا ہی۔ رات کے اندھیرے کو سورج دور نہیں کرسکتا تو چاند یہ کام انجام دیتا ہی۔

اب آپ ہتیار باندھ کر کمر کس لیں اور اندر کے رتھ پر بیٹھ کر بیری سے رن کے لیے چلیں۔

راجہ۔ اِندر دیوتا نے مجھے بڑی عزت بخشی۔ مگر یہ تو کہو کہ تم نے مادھو کو کیوں اتنا ستایا۔

ماتلی۔ جب میں نے کسی کارن آپ کو اُداس پایا تو جوش دلانے کے لیے یہ تماشا کیا۔ جب تک ایندھن کریدا نہ جائے، آگ بھڑکتی نہیں۔ جب تک سانپ چھیڑا نہ جائے، پھن نہیں اٹھاتا۔ جب تک آدمی کی خودداری کو ٹھیس نہ لگے، وہ بلندی کی طرف نہیں جاتا۔

راجہ (مادھو کے کان میں)۔ بھائی' اِندر دیوتا کا حکم ٹالا نہیں جا سکتا۔ تم دیوان جی کو یہ خبر سُنا کر میری طرف سے کہنا کہ جب تک میں اس کام میں مصروف ہوں تب تک وہ اکیلے ہوشیاری سے پرجا کی سیوا کریں۔

مادھو۔ بہت خوب (باہر جاتا ہی)

ماتلی۔ مہاراج، اب رتھ پر سوار ہوں۔

(رتھ میں بیٹھ کر دونوں چل دیتے ہیں)۔

ڈراپ

ساتواں ایکٹ

جنّت کا راستہ

(دشینت اور ماتلی رتھ میں بیٹھے ہوئے آکاش سے اُترتے ہیں)

راجہ۔ بھئی ماتلی، یہ سچ ہے کہ میں اندر کا حکم بجالایا، تاہم انھوں نے مجھ پر جیسی نوازش کی، میں ہرگز اس کا مستحق نہ تھا۔

ماتلی مہاراج، آپ دونوں کو یہی شکایت ہے۔ آپ نے اندر پر بڑا احسان کیا لیکن اسے ان کی آؤ بھگت کے مقابلے میں حقیر سمجھتے ہیں۔ اُدھر اندر اپنی نوازش کو آپ کی شجاعت کے مقابلے میں کچھ نہیں گنتے۔

راجہ۔ یہ نہ کہو۔ آتے وقت انھوں نے میری اتنی عزت افزائی کی کہ میں تصور میں بھی نہ لاسکتا تھا۔

جنّتی پھولوں کا ہار، جس پر اُن کے سینے میں لگے ہوئے چندن کی مہک بس گئی تھی، گلے سے اُتار کر مجھے پہنا دیا۔ پہناتے پہناتے اندر نے ایک آنکھ اپنے بیٹے کو دیکھا جو رشک سے اس ہار کو تک رہا تھا۔ یہی نہیں بلکہ سب دیوتاؤں کی موجودگی میں مجھے اپنے ساتھ سنگھاسن پر بٹھلا لیا۔

اتلی۔ لیکن یہ بھی تو سوچیے کہ آپ کی جتنی عزّت کی جائے کم ہی ہے کیونکہ جنّت سے جِنّاتوں کو نکالنے والے دو ہی ہوتے ہیں

ایک، نرسنگھ جی کے تیز ناخون[1]، دوسرے آپ کے پینے بان۔
راجہ۔ اماں، یہ بھی اندر بھگوان کی دین ہی سمجھو ورنہ ہم کیا۔ غلام سے
کوئی بڑا کام ہو جائے تو اسے آقا کی بڑائی کا پھل جانو۔ اگر سورج
شفق کو اپنی سواری کے آگے جگہ نہ دیتا تو اس کی کیا مجال تھی
کہ تاریکی کا دامن چاک کرتی۔
ماتلی۔ یہ انکسار ہی آپ کا بڑا پن ہے۔
(تھوڑی دور چل کر)۔ مہاراج، دیکھیے تو سہی کہ آپ کے کارناموں
کی گونج عرش میں بھی سنائی دے رہی ہے۔
اپنی سجنیوں کے سنگار سے بچے ہوئے مہاور، کستوری اور چندن
کو لے کر یہ دیوتا بہشتی پیڑوں پر آپ کے چرت کے گیت لکھ رہے ہیں
راجہ۔ جاتے وقت جوش کے مارے ہم نے توجہ نہیں کی تھی۔ لیکن اب
فردوس کی ہوائیں میری روح کے ہر ہر تار کو مسرور کر رہی ہیں۔
(رتھ کے پہیوں کو دیکھ کر)۔ شاید اب ہم بادلوں کی سطح پر اُتر آئے۔
ماتلی۔ آپ نے کیسے جانا؟
راجہ۔ تمھارا رتھ صاف بتلا رہا ہے کہ ہم آب بر دوش بادلوں میں سے ہو کر
جا رہے ہیں کیونکہ پہیے بھیگے ہوئے ہیں اور ان کے دھروں میں سے
ہو کر چکور یہاں وہاں اُڑ رہے ہیں اور بجلی کے جوت میں گھوڑے
رہ رہ کر چمک اٹھتے ہیں۔
ماتلی۔ اب میں آناً فاناً آپ کو راجدھانی پہنچا دوں گا۔
راجہ۔ تیزی سے اُترتے ہوئے، ہماری دنیا کتنی عجیب معلوم ہو رہی ہے:

[1] پُرانک تلمیحات۔ ۹

ایسا لگتا ہے کہ پہاڑ اوپر اٹھتے جاتے ہیں اور ان کی چوٹی پر رکھی ہوئی زمین نیچے کھسکتی جاتی ہے۔ پیڑوں کے تنے جو پہلے پتوں میں ڈھکے ہوئے تھے، اب اجاگر ہو گئے ہیں۔ ندیوں کا پاٹ چوڑا ہوتا جاتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ ساری دنیا کو کسی نے اوپر اُچھال دیا ہے۔

ماتلی۔ آپ کی نگاہ واقعی دوُر رس ہے۔

(زمین کو حیرت سے دیکھ کر) آپ کی دنیا در اصل بہت شاندار اور خوب صورت ہے۔

راجہ۔ ماتلی، پورب پچھم کے سمندروں کے بیچوں بیچ یہ کون سا پربت ہے جس سے پگھلا ہوا سونا سا بہہ رہا ہے، گویا شام کی بدلیوں کو ایک ہار میں گوندھ دیا ہو۔

ماتلی۔ مہاراج، اس پہاڑ کا نام ہیم کوٹ ہے اور اس میں براق[1] رہتے ہیں۔ وہ دیکھیے، برہما کے پوتے کشیپ رشی اس میں تپشیا کر رہے ہیں۔

راجہ۔ اچھا! تو لگے ہاتھوں ان کا آشیرباد لینے کیوں نہ چلیں۔ ان کے چرن چھونے کا اس سے بہتر کون سا موقع ہو سکتا ہے۔

ماتلی۔ آپ کا یہ خیال مجھے جی جان سے پسند آیا۔ (دونوں اُترتے ہیں)

راجہ۔ (تعجب سے)۔ رتھ کے پہیوں کی کچھ آہٹ نہ ہوئی۔ نہ دھوُل اُڑی، نہ دھچکا لگا، نہ یہ معلوم ہوُا کہ ہم کب اُتر آئے۔

ماتلی۔ آپ کے اور اِندر کے رتھ میں بس یہی تو فرق ہے۔

راجہ۔ کشیپ کا آشرم کہاں ہے؟

ماتلی۔ وہ دیکھیے، جہاں ایک جوگی سوکھے ڈنڈ کی طرح، سورج کو ایک

---

[1] براق: کنّر۔

ٹک دیکھتا ہوا اچل کھڑا ہے۔ اس کا آدھا جسم دیمک کے ڈھیر میں دھنس گیا ہے اور جنیو کی جگہ سانپ کی کینچلی لپٹی ہوئی ہے۔ یہی نہیں، بلکہ اس کی جٹاؤں میں چڑیوں نے گھونسلے بنا لیے ہیں اور گلے میں سوکھی بیلوں کے اُلجھے پھندے ہوئے ہیں۔

راجہ۔ اس مہاتما کو میں پرنام کرتا ہوں۔

ماتلی۔ (باگ کھینچ کر)۔ مہاراج، اب ہم کشیپ رشی کے آشرم میں آگئے ہیں جہاں جنتی پیڑ پودے لہلہا رہے ہیں۔

راجہ۔ اسی وجہ سے یہاں فردوس سے بھی زیادہ امن اور سکون ہے۔ مجھے تو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ امرت کے کنڈ میں نہا رہا ہوں۔

ماتلی۔ (رتھ ٹھیرا کر)۔ اب حضور یہاں اُتر جائیں۔

راجہ۔ اور تم؟

ماتلی۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ رتھ یہیں رُکا رہے گا۔ (رتھ سے اُتر کر) ادھر سے آئیے۔ ذرا اس تپ بن کی عظمت کو ملاحظہ فرمائیے

راجہ۔ یہ تو کلپ بِرچھ کے پیڑوں کا بن ہے، جس کی ہوا پی کر آدمی زندہ رہ سکتا ہے یہاں سُنہری کنول کا پراگ ملا ہوا پانی اشنان کے لیے ملتا ہے۔ پتّے اور پکھراج کے مندر پوجا کے لیے موجود ہیں۔ پھر ان پریوں کا حسن کیسا تپ توڑ ہے۔

اسی معراج کو حاصل کرنے کے لیے دوسرے لوگ جپ تپ کی سختیاں جھیلتے ہیں۔ یہ سب ان تپسّیوں کے قدموں پر ہے، مگر یہ اسے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور اپنے دھیان میں مگن رہتے ہیں۔

لہ پرانک تلمیحات۔ ۱۰

ماتلی۔ بڑوں کی بڑی باتیں۔
(کسی کو دیکھ کر)۔اجی بڑے میاں، اس سمے مہاتما کشیپ کیا کر رہے ہیں؟
(کان پر ہاتھ لگا کر)۔کیا کہا؟ آشرم کی دیویوں کو بیوی کے فرائض سمجھا رہے ہیں!

راجہ۔ پھر وہاں میاؤں کا کیا کام۔ انھیں نبٹ لینے دو تو چلیں گے۔

ماتلی۔ آپ گھڑی بھر اس اشوک کے پیڑ کی چھاؤں میں بیٹھیں۔ میں موقع دیکھ کر آپ کے آنے کا سندیسہ کشیپ رشی کو سُنا کر آتا ہوں۔

راجہ۔ اچھا یہی سہی۔ (ماتلی جاتا ہے، راجہ بیٹھ جاتا ہے)

راجہ (شگون دیکھ کر)۔میری بانہہ خواہ مخواہ کیوں پھڑکنے لگی۔ یہاں تو مُراد بر آنے کی کوئی آس نہیں۔ جو آدمی گھر آئے ہوئے سُکھ کو ٹھکرائے گا وہ اس کے بدلے دُکھ اٹھائے گا ہی۔

(پسِ پردہ)۔ارے نٹ کھٹ! تو اپنی شرارت سے باز نہ آئے گا۔ پھر اپنی اصلیت پر آ گیا۔

راجہ۔(کان لگا کر)۔یہاں کون ایسا چنچل چپل آ گیا؟ یہ پھٹکار کس پر پڑ رہی ہے؟
(جدھر سے آواز آ رہی ہے، اُدھر حیرت سے دیکھتے ہوئے)۔ ارے یہ کس کا لڑکا ہوگا جسے دو جوگنیں تھامے ہوئے ہیں۔ بچّوں میں تو ایسا بل کبھی نہیں دیکھا۔ شیرنی کا بچّہ ابھی ماں کا دودھ پی بھی نہ پایا تھا کہ یہ کھیلنے کے لیے ایال پکڑ کر اسے کھینچے لاتا ہے۔
(ایک لڑکا شیر کے بچّے کو گھسیٹتے ہوئے آتا ہے، دو جوگنیں اسے روکنے کی کوشش کر رہی ہیں)۔

لڑکا۔ شیر رے شیر، منہ پھاڑ تو میں تیرے دانت گنوں۔

ایک جوگن۔ارے نردئی ! تو گونگے جانوروں کو کیوں ستاتا ہی۔ ہم تو بال بچّوں کی طرح ان کی دیکھ ریکھ کریں، مگر اس کے ہیاؤ کو دیکھو تو دن دن بڑھتا ہی جاتا ہی۔

ساوھوؤں نے تیرا نام 'سرودمن[1]' رکھا تو کیا غلط ہی۔

راجہ (خود) کیا وجہ ہو کہ اس بچّے کو دیکھتے ہی میرے سینے میں چاہ کی ایسی لہر اُٹھ رہی ہی، جیسے یہ میری ہی اولاد ہو۔ شاید جو لاولد ہوتے ہیں، ان کی یہی کیفیت ہوتی ہی۔

دوسری جوگن۔ تو اسے نہ چھوڑے گا تو اس کی ماں تجھے پکڑ لے گی۔

لڑکا۔ (کھِل کھِلا کر) او ہو، شیرنی کا مجھے ایسا ہی تو ڈر ہی۔ (منہ چڑھاتا ہی)۔

راجہ (خود)۔یہ لڑکا بڑا ہونہار معلوم ہوتا ہی۔ انگارہ ہی انگارہ، جیسے ایندھن ملے تو ابھی آگ کا شعلہ بن جائے۔

جوگن۔ ننھّے، تو اسے چھوڑ دے تو میں اچھّے اچھّے کھلونے دوں گی۔

لڑکا۔ نہیں، پہلے لاؤ۔ (ہاتھ پھیلاتا ہی)

راجہ۔ اس کے سب لچھّن شہنشاہوں کے سے ہیں۔کیونکہ کھلونا لینے کو جب اس نے ہاتھ بڑھایا تو ملی ہوئی انگلیوں کے ساتھ اس کی ہتیلی ویسی ہی بھلی لگتی تھی جیسے پو پھٹے کھلتا ہؤا لال کنول، جس کی پنکھڑیاں ابھی جُڑی ہوئی ہوں۔

ایک جوگن (دوسری سے)۔یہ ضدّی باتوں میں نہ آئے گا۔ جاؤ، میری کٹیا میں مٹّی کا مور رکھا ہؤا ہی اسے ہی اٹھا لاؤ۔

دوسری۔ ابھی لاتی ہوں۔ (جاتی ہی)۔

---

[1] سرودمن — سب پر جبر کرنے والا۔

لڑکا۔ تب تک میں شیر کے بچے سے ہی کھیلوں گا۔
(جوگن کی طرف دیکھ کر ہنستا ہی)۔
راجہ۔ (خود)۔اس شریر کی طرف میرا دل کھنچ رہا ہی۔ بے بات پر ہنسنا، تتلا کر بولنا، دوڑ دوڑ کر گود میں اچکنا — مجھے بچوں کی یہ معصوم ادائیں بہت بھاتی ہیں۔ وہ ماں باپ خوش نصیب ہیں جو بچوں کو گود لے کر ان کے بدن کی دھول سے اپنا جسم میلا کرتے ہیں۔
جوگن۔ دیکھو، یہ من موجی میری بات پر کان ہی نہیں دیتا۔
(اِدھر اُدھر دیکھ کر)۔یہاں کوئی چیلا بھی تو نہیں ہی۔
(راجہ کو دیکھ کر)۔صاحب، مہربانی کرکے تمھیں آؤ اور اس نٹ کھٹ کے ہاتھ سے باگھ بچے کو چھڑاؤ۔کھیل کھیل میں اسے اس زور سے جکڑ لیا ہی کہ چھڑائے نہیں چھوڑتا۔
راجہ۔ اچھا اچھا۔
(ہنستے ہوئے لڑکے کے پاس جاکر)۔رشی کمار! تیرے پرکھوں کا طور تو یہ ہی کہ ان بےزبانوں کی رکھوالی کریں۔ پھر تو آشرم کی ریت کو توڑ کر ان کی آتما کو کیوں دُکھ دیتا ہی؟ تونے تو 'چندن کے پیڑ پر ناگ کا بسیرا' کی مثل سچ کر دکھائی۔
جوگن۔ صاحب، یہ رشی کمار نہیں ہی۔
راجہ۔ اس کی صورت شکل اور حرکت تو یہی بتاتی ہی۔ لیکن اسے تپ بن میں دیکھ کر یہی خیال گزرتا ہی کہ کسی سادھو سنیاسی کا بیٹا ہوگا۔
(شیر کے بچے کو چھڑاکر، لڑکے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے)
(خود)۔معلوم نہیں یہ کس بنس کا دیپک ہی کہ ایک بار چھوتے ہی میرے

روئیں روئیں میں سنسنی دوڑ گئی۔ پھر یہ جس گھر کا اجیالا ہے اس کی مسرّت
کا کیا ٹھکانا ہو گا۔

جوگن (دونوں کو دیکھ کر)۔کیسی عجیب بات ہے۔

راجہ۔ کیوں، کیا ہوا؟

جوگن۔ تم دونوں کا ناک نقشہ بہت ملتا ہوا ہے۔ اور اس کا بھی اچنبھا ہے کہ
بے جان پہچان اس ضدّی نے تمھارا کہا کیسے مان لیا۔

راجہ۔ (لڑکے کو کھلاتے ہوئے) بڑی بی، یہ رشی کمار نہیں تو پھر کس گھرانے کا ہے؟

جوگن۔ اجی، یہ تو پُرو بنسی ہے۔

راجہ (خود)۔یہ کیا بات ہے۔ یہ ہمارے گھرانے کا کیوں کر ہؤا اور پھر جوگن
نے اسے میرا ہم شکل بھی بتلایا!

البتّہ، ہمارے بنس میں یہ ریت تو ہے کہ جوانی میں کام کاج کے
ساتھ راس رنگ بھی کرتے ہیں۔اور بڑھاپے میں سنسار تج کر بن کے
پیڑوں کے نیچے دھونی رماتے ہیں اور جپ تپ میں آخری عمر گزارتے ہیں۔
(بآواز)۔لیکن یہ ایسا مقام تو نہیں کہ ہر خاص و عام کے لیے کھلا ہؤا ہو؟

جوگن۔ یہ تو سچ ہے۔ مگر اس کی ماں کا ناتا اپسراؤں سے ہے۔ اسی لیے
اس کا جنم تپ بن میں ہوا۔

راجہ (خود)۔لو، امید کو ایک اور سہارا ملا۔
(بآواز)۔اور یہ تو کہو کہ اس کی ماں کس بھاگوان کی بیوی ہے؟

جوگن۔ جس پاپی نے اپنی بیاہی ہوئی بیوی کو گھر نکالا دیا اس کا نام کون
اپنی زبان پر لائے گا۔

راجہ (خود)۔یہ اشارہ بھی میری طرف ہے۔ ذرا اس لڑکے کی ماں کا نام

پوچھ دیکھوں۔

(سوچ کر رک جاتا ہی)۔کہیں پرائی عورت نکلی تو اس کی پوچھ تاچھ باعث شرم ہوگی۔

(دوسری جوگن ہاتھ میں مٹی کا مور لیے آتی ہی)۔

جوگن۔ منے، دیکھ اس "شکنت "کو۔کتنا خوبصورت ہی۔

لڑکا۔ امی جان کہاں ہیں ؟

جوگنیں۔ ماں کا پیارا ! نام سے دھوکا کھا گیا۔

دوسری جوگن۔ بیٹے، میں نے تو کہا تھا کہ مٹی کے اس سندر مور کو دیکھو۔

راجہ۔ (خود)کیا واقعی اس کی ماں کا نام شکنتلا ہی ہی ؟..... مگر ایک نام کے بہت آدمی ہوتے ہیں ....اور کچھ نہیں تو یہ نام ہی سراب کی طرح مجھے پریشان کرنے کو آگیا۔

لڑکا۔ مجھے یہ کھلونا بہت بھاتا ہی۔ (ہاتھ میں لے لیتا ہی)

جوگن۔ (گھبراکر)۔ارے، اس کی باہنو سے گنڈا کہاں گر پڑا۔

راجہ۔ جب یہ شیر کے بچے سے کھیل رہا تھا تو وہ زمین پر گر پڑا۔ یہ دیکھو۔ (اٹھانے کو جھکتا ہی)۔

جوگنیں۔ نہ اُٹھاؤ، نہ اُٹھاؤ۔ ارے، اس نے کیا کیا !

(چھاتی پر ہاتھ رکھ کر اچنبھے سے ایک دوسرے کو تکتی ہیں)

راجہ۔ میرے اُٹھانے سے کیا اس میں چھوت لگ گئی ؟

جوگن۔ صاحب، یہ بات نہیں ہی۔جب اس کا عقیقہ ہوا تو کشیپ رشی نے

---

[1] شکنت۔سنسکرت میں پرندے کو کہتے ہیں۔جب شکنتلا جنگل میں پڑی ہوئی تھی تو پرندوں نے اس کی رکھوالی کی۔ اسی وجہ سے اس کا نام شکنتلا پڑا۔

ایک گنڈا اس کے بازو پر باندھا۔ اس میں یہ گُن ہو کہ اگر دھرتی پر
گر پڑے تو ماں باپ کے سوا کوئی تیسرا نہ اُٹھا سکے۔

راجہ۔ اور اگر اُٹھا لے ؟

جوگن۔ تو یہ اُسی آن سانپ بن کر اسے ڈس لیتا ہو۔

راجہ۔ تم نے ایسا ہوتے کبھی دیکھا بھی ہو ؟

جوگنیں۔ ایک نہیں، بیسیوں بار۔

راجہ (خوشی کے مارے باغ باغ ہوکر)۔ اب جاکر میری آرزو بر آئی۔

(بچّے کو سینہ سے چمٹا لیتا ہو)۔

دوسری جوگن۔ بہن آؤ۔ یہ خوشخبری دُکھیا شکنتلا کو سُنائیں۔ وہ بچاری برسوں
سے اِسی دن کی آس میں برہ کے دن کاٹ رہی ہو۔

(دونوں جاتی ہیں)۔

لڑکا۔ مجھے چھوڑو۔ میں امّی پاس جاؤں گا۔

راجہ۔ بیٹے، ہم تم دونوں ان کے پاس چلیں گے تو وہ زیادہ خوش ہوں گی۔

لڑکا۔ تم میرے بابا تھوڑے ہو۔ میرا باپ تو دشینت ہو۔

راجہ (مسکراکر)۔ یہ کہہ کر اس نے میری رہی سہی دبدھا بھی مٹا دی۔

(بال کھولے ہوئے شکنتلا آتی ہو)۔

شکنتلا (خود)۔ سُنا ہی سُنا ہو کہ سرودمن کے گنڈے نے اپنا گُن نہیں دکھایا
مگر اپنے جلے نصیبوں پر مجھے بھروسا نہیں ہوتا..... ہاں، اتنی آس
ہو کہ شاید سانومتی کا کہا ٹھیک نکل آئے۔

راجہ (اسے دیکھ کر)۔ آہ، یہی میرے دل کی رانی ہو۔ بہت دنوں سے
تپ کرتے کرتے بدن سوکھ گیا ہو۔ بال اُلجھے ہوئے ہیں۔ تن پر

گیروا برن ہی۔ سب سُکھ چھوڑ کر مجھ سنگ دل کے لیے یہ باوفا برہ روگ
کا دُکھ سہہ رہی ہی۔

شکنتلا (راجہ کو دیکھ کر۔ جس کی شکل تاسُف کی وجہ سے بہت بدل گئی ہی۔ خود)
میرے دیوتا کی یہ دھج تو نہیں تھی۔ اگر یہ وہ نہیں تو پھر کون ہی؟۔
کوئی اور ہی تو اسے میرے بچّے کے رکشا بندھن کو چھونے کی جرأت کیسے ہوئی؟

لڑکا (ماں کی طرف لپک کر)۔ امّی، یہ پردیسی کون ہی جس نے بیٹا کہہ کر
مجھے گود میں اٹھا لیا؟

راجہ (شکنتلا سے)۔ میری دیوی! میں نے تُم پر اتنا ظلم کیا۔ لیکن اس کا انجام
بھی مبارک ہؤا کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تم مجھے بھولی نہیں ہو۔

شکنتلا (خود)۔ میرے سہمے ہوئے دل! اب تو دھیرج رکھ۔ مجھے یقین ہو چلا
کہ قسمت نے آخر میرے دن بھی پھیر دیے۔ ہاں، میرے سوامی یہی ہیں۔

راجہ۔ یہ کیسی نیک ساعت ہی کہ میری آنکھوں کے آگے سے وہ پردہ ہٹ گیا
اور اب میں اپنی پیاری کو اسی طرح رو برو دیکھ رہا ہوں جیسے گہن
سے نکل کر دھندلایا ہؤا چاند اپنی جوت کو دیکھتا ہی۔

شکنتلا۔ میرے دیوتا کی ———— (آواز آنسوؤں میں رندھ جاتی ہی)۔

راجہ۔ میری جان میں سمجھ گیا کہ تو "جَے" کہنا چاہتی تھی لیکن آنسوں نے اسے
مسوس دیا۔ مگر تیرے دیدار ہونے کے بعد میری جَے یقینی ہی۔

لڑکا۔ امّی، بتاؤ تو سہی کہ یہ آدمی کون ہی؟

شکنتلا۔ بیٹا، اپنی قسمت سے پوچھ (رونے لگتی ہی)۔

راجہ (شکنتلا کے قدموں پر گر کر)۔ دیوی، تُو تو ہین کے صدمے کو
اپنے دل سے دھو ڈال۔ معلوم نہیں اس وقت مجھ پر کیسی خود فراموشی

طاری ہوگئی کہ میں تجھے بھول گیا - ناسمجھ اکثر اپنے آگے رکھی ہوئی نعمت کو ٹھکرا دیتے ہیں - اندھے کے گلے میں ہار ڈالو تو وہ سانپ سمجھ کر اسے پھینک دیتا ہے-

شکنتلا- پران پیارے! مجھے کانٹوں میں نہ گھسیٹو- للٰلہ اٹھو- اُن دنوں میرے پچھلے جنم کے پاپ آگے آئے جنھوں نے میری نیکیوں پر پردہ ڈال کر تمھیں مجھ سے برہم کر دیا-

(راجہ اٹھتا ہے)-

اب یہ کہو کہ مجھ دکھیا کی سُدھ کیسے آئی-

راجہ- میرے دل سے ندامت کا کانٹا نکل جائے تو سُناؤں- اس دن انجان میں اونٹھ پر گرتے ہوئے تیرے آنسو کی بوند کو میں نے دیکھ کر ان دیکھا کر دیا تھا- اس پچھتاوے کو آج میں تیری پلک پر اٹکے ہوئے آنسو کو پونچھ کر مٹاؤں گا (آنسو پونچھتا ہے)

شکنتلا (راجہ کی انگلی میں انگوٹھی دیکھ کر)- کیا یہ وہی مندری ہے؟

راجہ- ہاں- اس کے ملتے ہی مجھے تمھاری یاد آئی-

شکنتلا- اس نے کیا ستم کیا کہ جب یاد دلانے کو میں نے اسے ڈھونڈا تو یہ گُم ہو چکی تھی-

راجہ- پیاری، بہار سے دوبارہ سنجوگ ہونے کی نشانی میں بیل کو اپنی ٹہنی پھول سے سجانے دو- لو، یہ انگوٹھی پہن لو-

شکنتلا- نہیں، مجھے اس کا بھروسا نہیں- تمھیں اسے پہنو-

(ماتلی آتا ہے)-

ماتلی- مہاراج! آج کا دن مُبارک ہو کہ آپ نے کھوئی ہوئی لچھمی پائی،

اور اپنے بیٹے کا منہ دیکھا۔

راجہ۔ ہاں، ماتلی۔ میری زندگی کے پیڑ پر ایک نیا پھل آیا ہے۔
اچھا، یہ تو کہو کہ اِندر بھگوان کو اِس واقعہ کی خبر تھی؟

ماتلی۔ بلیھے، اجی دیوتاؤں سے بھی کچھ پوشیدہ ہے؟ آئیے، مہاتما کشیپ آپ کے منتظر بیٹھے ہیں۔

راجہ۔ شکنتلا، بچے کی انگلی پکڑ لو۔ میں تمھارے ساتھ اس مہارشی کے درشن کروں گا۔

شکنتلا۔ مگر مجھے تمھارے سنگ بڑوں کے سامنے ہوتے لاج آتی ہے۔

راجہ۔ بھئی، اس شبھ گھڑی میں لاج شرم کیسی۔ آؤ بھی۔

(سب چلتے ہیں۔ کشیپ رشی اپنی بیوی ادیتی کے ساتھ آسن پر بیٹھے نظر آتے ہیں)۔

کشیپ (اپنی بیوی سے)۔ تمھارے سپوت اِندر کی فوج کا سردار اور سنسار کا رکھوالا راجہ وشینت یہی ہے۔ اس کی کمان کی کڑک کے آگے اِندر کے کوندے کی گرج بھی دھیمی ہو جاتی ہے۔

ادیتی۔ اس کی چال ڈھال سے ہی بڑائی ٹپکتی ہے۔

ماتلی (راجہ سے علیحدہ)۔ مہاراج! دیکھا آپ نے دیوتاؤں کے ماتا پتا کو۔ آپ کی طرف یہ ایسی شفقت سے دیکھ رہے ہیں جیسے کوئی اپنی اولاد کو دیکھتا ہے۔ آگے بڑھ کر ان کے قدم لیجیے۔

راجہ۔ ماتلی، کیا کشیپ اور ادیتی یہی ہیں؟ کیا انھیں نے سیاروں اور ستاروں کی تخلیق کی تھی؟ کیا یہی اِندر کے جنم داتا ہیں؟ کیا ان کی ہی کوکھ سے وِشنو وامن اوتار[1] بن کر پیدا ہوئے تھے؟

---

[1] پُرانک تلمیحات — ۱۱

ماتلی۔ جی ہاں ، وہ یہی ہیں۔
راجہ (سجدہ کر کے) اندر کا سیوک دشینت آپ دونوں کو پرنام کرتا ہے۔
کشیپ۔ جُگ جُگ جیو اور دھرتی پر راج کرو۔
ادیتی۔ لڑائی کے میدان میں کوئی تمھارا ہم پلّہ نہ ہو۔
(شکنتلا بیٹے کے ساتھ قدموں پر گرتی ہے)۔
کشیپ۔ بیٹی، تیرا دولھا اِندر کا جوڑی دار ہے اور تیرا بیٹا اندر کے وارث کا مقابل ہے۔ تجھے اس کے سوا کیا دعا دوں کہ تو اندرانی کی ہم سر ہو۔
ادیتی۔ دعا ہے کہ تو اپنے میاں کی محبّت اور عزّت کی اکیلی حق دار ہو، تیرا سپوت بڑی عمر پائے اور ماں باپ کی آنکھوں کو سدا سُکھ پہنچائے۔ آؤ بیٹھو۔
(سب لوگ رِشی کو گھیر کر بیٹھ جاتے ہیں)۔
کشیپ (ہر ایک کی طرف باری باری سے دیکھ کر)۔کیسی نیک ساعت ہے تم سب کا ملاپ ہوا۔ شکنتلا، یہ ہونہار بچّہ اور تم! — یہ سمجھو کہ دھرم، کرم اور دھن کا میل ہوا ہے۔
راجہ۔ مہاتما، آپ کی نوازش کو کیا کہیے۔ یہی دیکھا ہے کہ پہلے پھول آتا ہے تب پھل لگتا ہے۔ پہلے بادل آتا ہے پھر برکھا ہوتی ہے۔ لیکن تمھاری قدرت نرالی ہے کہ میری مُراد پہلے بر آئی اور دعا بعد میں ملی۔
ماتلی۔ یہ مہاتماؤں کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔
راجہ۔ مہاراج! آپ جانتے ہی ہیں کہ آپ کی اس باندی کا بیاہ گاندھرو ریت سے میرے ساتھ ہوا تھا۔ کچھ دنوں بعد اس کے میکے کے

لوگ اسے میرے پاس لائے۔اُس وقت جانے میرے اوسان کیا ہوئے کہ میں اسے بالکل بھول گیا۔اور اسے تج کر آپ کے عزیز کنورشی کا مجرم بنا۔بعد میں اس گم شدہ انگوٹھی کو دوبارہ دیکھتے ہی مجھے بھولی ہوئی بات یاد آئی۔اس وجہ سے مجھے سخت حیرت ہی۔یہ تو وہی قصّہ ہوا کہ سامنے ہاتھی کو دیکھ کر بھی کوئی کہے کہ نہیں یہ ہاتھی نہیں ہی۔جب وہ چلا جائے تو گو مگو میں پڑ جائے کہ ہاتھی کہیں یہی تو نہ تھا۔اور پھر اس کے پیروں کے نشان کو دیکھ کر باور کرے کہ بیشک میں نے پہچاننے میں غلطی کی تھی۔

کشیپ۔ بٹیا! اپنے گناہ کا خیال دل سے نکال دو کیونکہ تم سے یہ انجان میں سرزد ہو گیا۔اب سُنو۔

راجہ۔ میں ہمہ تن گوش ہوں۔

کشیپ۔ مینکا سے اپنی بیٹی کا الم نہیں دیکھا گیا اور وہ اسے ادیتی دیوی کے پاس اٹھا لائی۔اسی وقت کشف سے میں نے معلوم کرلیا کہ تم نے دُرواسا کے شاپ کے کارن اس ستی کو تج دیا ہی۔اور جب تک انگوٹھی نہ ملے گی اس شاپ کا اثر باقی رہے گا۔

راجہ (خود) شُکر ہی کہ میں اس کلنک سے بچ گیا۔

شکنتلا (خود)۔تو یہ کہو کہ پیارے نے مجھے جان بوجھ کر نہیں ٹھکرایا تھا۔ لیکن یاد نہیں پڑتا کہ مجھے کس نے اور کب شاپ دیا تھا۔شاید کہ اُس آن بجوگ کے دُکھ میں میں اپنا پرایا بھول گئی تھی کیونکہ بداتی کے سمے سکھیوں نے بھی تو جتایا تھا کہ دولہا کو انگوٹھی دکھا دینا۔

کشیپ۔ بیٹی، اب تجھے آگے پیچھے کا سب حال معلوم ہوگیا۔ اپنے میاں کو
کبھی مجرم قرار نہ دینا۔
بددعا کی وجہ سے وہ خود فراموشی میں مبتلا ہوگیا اور تجھے بھلا
دیا۔ اب وہ ساعت ٹل گئی اور تجھے اپنا راج پاٹ مل گیا۔
گرد پڑ جانے سے درپن میں عکس نہیں پڑتا، مگر صاف کردو تو
کیسا جگر جگر کرنے لگتا ہے۔
راجہ۔ (بچے کا ہاتھ تھام کر)۔ پربھو، یہ میرے بنس کا نام لیوا اور
پانی دیوا ہوگا۔
کشیپ۔ سن لو کہ یہ راجاؤں کا راجہ ہوگا۔
یہ نونہال ساتوں دیپوں کو جیتے گا اور جیسے اس آشرم کے
جانوروں پر راج کرنے سے اس کا نام سرودمن پڑا، ویسے ہی
سنسار کو امن و سکون پہنچا کر بھرت کہلائے گا۔
راجہ۔ آپ کے سایہ میں جس بچے کی پرورش ہوئی ہے وہ جو نہ
کرے تھوڑا ہے۔
ادیتی۔ اجی سنو۔ شکنتلا کے سونے ہوئے بھاگ جاگے، یہ سندیسہ اس
کے منہ بولے باپ کو بھی بھیجنا ہے۔ اس کی ماں مینکا تو یہیں کہیں
ہے اور سب کچھ جانتی ہے۔
شکنتلا (خود)۔ مائی نے میرے دل کی بات کہہ دی۔
کشیپ۔ اپنے تپ کے بل سے کنو کو سب حال معلوم ہو چکا ہوگا۔
راجہ۔ شاید اسی وجہ سے وہ مجھ سے خفا نہیں ہوئے۔
کشیپ۔ اور کیا۔

جو بھی ہو، اپنی طرف سے ہمیں یہ مژدہ انھیں بھی سُنا دینا
چاہیے۔
ارے کوئی ہے؟
(ایک چیلا آتا ہے)۔
چیلا۔ گروجی، کیا حکم ہے؟
کشیپ۔ تو ابھی اُڑ کر کنو منی کے پاس جا اور میری طرف سے یہ سکھ
سندیسہ سُنا کہ درواسا کی بد دعا کی مدت ختم ہو گئی تو آج دشینت
نے سدا سہاگن شکنتلا کو پہچانا اور اسے سر آنکھوں پر لیا۔
چیلا۔ بہت خوب (جاتا ہے)۔
کشیپ۔ بیٹا! اب تم بھی بال بچے سمیت اِندر کے رتھ پر بیٹھ کر خوشی
خوشی اپنی راجدھانی سدھارو۔
راجہ۔ بجا ارشاد۔
کشیپ۔ اور سُنو۔
اِندر اِتنا مینہ برسائے کہ تمھاری پرجا مالا مال ہو جائے۔ تم
اتنے "یگیہ" کرو کہ دیوتا نہال ہو ہو جائیں۔ ایک دوسرے کا دم
بھرتے ہوئے تم دونوں سو جُگ تک راج کرو جس سے دھرتی
اور آکاش کے باسیوں کے بھاگ کھلیں اور وہ تم دونوں کا
جس گایا کریں۔
راجہ۔ مہاتما! میں تن من سے اپنے فرائض انجام دوں گا۔
کشیپ۔ بولو، تمھیں کوئی اور آشیرباد دوں۔
راجہ۔ آپ نے تو اتنا دیا کہ میں اسی سے زیر بار ہو گیا۔ تاہم اگر

آپ پوچھتے ہیں تو پھر دعا کیجیے کہ بھرت[1] کا یہ بچن پورا ہو —
"راجہ اپنی پرجا کی بھلائی کے دھیان میں رہا کریں۔ پنڈت گیان کی سیوا کیا کریں اور مہادیو مجھے نجات کا راستہ دکھائیں۔"

کشیپ۔ جاؤ، یہی ہوگا۔

(سب باہر جاتے ہیں)۔

ڈراپ

تمام شد

---

[1] پرانک تلمیحات - ۱۲

Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu Series No. 111.

SHAKUNTLA

OF

KALI DAS

Translated by

SYYED AKHTAR HUSAIN RAIPURI,
B.A. (Alig.), Sahitya Alankar,

(from the Original Sanskrit).

Published by

The Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu (India),

NEW DELHI.

1939.

اُردُو

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

جنوری۔ اپریل۔ جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہی

اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہی۔ تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اُردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں، ان پر تبصرے اس رسالہ کی ایک خصوصیت ہی۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحے یا اس سے زیادہ ہوتا ہی۔ قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملاکر سات رُپے سکہ انگریزی (آٹھ رُپے سکۂ عثمانیہ)۔ نمونے کی قیمت ایک روپیہ بارہ آنے۔ (دو رُپے سکۂ عثمانیہ)۔

رسالہ سائنس

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

(جنوری۔ اپریل۔ جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہی)

اس کا مقصد یہ ہی کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اُردو دانوں میں مقبول کیا جائے دنیا میں سائنس کے متعلق جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں، یا جو بحثیں یا ایجادیں ہورہی ہیں، ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہی اور ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہی۔ اس سے اُردو زبان کی ترقی اور اہلِ وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہی۔ رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع ہوا کرتے ہیں۔ قیمت سالانہ صرف چھ رُپے سکۂ انگریزی (سات رُپے سکۂ عثمانیہ)۔ نمونے کی قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔ (ایک روپیہ بارہ آنے سکۂ عثمانیہ)

انجمن کی جدید فہرست مطبوعات

نئی فہرست چھپ چکی ہی جس میں انجمن کی اس وقت تک کی تمام مطبوعات درج ہیں، ہر کتاب کی مختصر تشریح بھی کردی گئی ہی۔ طلب کرنے پر بلاقیمت ارسال کی جائے گی۔

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) نئی دہلی

Anjumán-e-Taraqqi-e-Urdu Series No. 111.

SHAKUNTLA

OF

KALI DAS

Translated by

SYYED AKHTAR HUSAIN RAIPURI,
B.A. (Alig.), Sahitya Alankar,

(from the Original Sanskrit).

Published by

The Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu (India),

NEW DELHI.

1939.